ہفت روزہ

# الفتح

کراچی

۲۷ ستمبر - ۴ اکتوبر ۱۹۷۳




قیمت : ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے ، ایک روپیہ

**عالمی سیاست**



## سردار داؤد نے وعدے پورے نہ کئے تو بغاوت کا خطرہ باقی رہے گا

# فوجی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش میں شاہ پرست علمائ کا ہاتھ

**۲۱ ستمبر ۷۳ء** کو افغانستان میں جنرل داؤد کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کی گئی، جسے حکومت نے ناکام بنا دیا۔ سابق وزیر اعظم محمد ہاشم میوندوال، سابق وزیر دفاع جنرل خان محمد، ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل عبدالرزاق اور دیگر متعدد افراد گرفتار کر لیے گئے۔ کابل ریڈیو کے مطابق ان افراد کے قبضہ سے اہم دستاویزات برآمد ہوئیں۔ سرکاری اعلان میں الزام لگایا گیا کہ یہ افراد ملک میں جمہوری نظام کی مخالفت کر رہے تھے۔

دراصل افغانستان میں شاہ پرستوں اور سردار داؤد کے حامیوں میں اقتدار کی کشمکش ہو رہی ہے۔ شاہ پرست عناصر قبائلی سرداروں، شاہی خاندان، نوکر شاہی اور سامراج نواز علماء پر مشتمل ہیں۔ نوکر شاہی اور علماء نے سردار داؤد کی حکومت کا خیر مقدم نہیں کیا، مزاحمت کی۔ مزاحمت کرنے والوں میں محمدزئی، پاک زئی، تاجک پلاوز، پوپلزئی، دروگ اور ہزارہ قبائل شامل تھے۔ کیونکہ ان ہی قبائل کے افراد شاہی حکومت کے دور میں اعلیٰ اور کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔ ۱۷ر جولائی کو جب سردار داؤد نے شاہ ظاہر شاہ کی حکومت کا تختہ الٹا تو شاہ پرست اور سامراج نواز علماء کی جماعت "شورای" نے شاہ ظاہر شاہ کی حمایت کا اعلان کیا۔ ایک مشترکہ اعلامیہ میں انہوں نے شاہ کے نام کا خطبہ جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ مولانا عبدالباقی سلفی اور اخوند دوست محمد نے فتویٰ دیا کہ شاہ کی حمایت کرنا عین جہاد ہے۔ ان سامراج نواز علماء کا افغانستان کے قبائلی سرداروں پر بہت زیادہ اثر ہے، اور عوام پر بھی۔ ان کے اثر و رسوخ کے بارے میں روزنامہ، "نیویارک ٹائمز" نے لکھا۔

"یہ علماء ایک بڑی طاقت کی حیثیت رکھتے ہیں اور عوام کی زندگی کے ہر شعبے میں انہیں غلبہ حاصل ہے۔ یہ آئے دن تجدد پسندی کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ شراب خانوں، منی اسکرٹ اور نیم عریاں لباس پر اس حد تک معترض ہوتے ہیں کہ کبھی کبھی منی اسکرٹ زیب تن کرنے والی لڑکیوں پر تیزاب گرا دیتے ہیں، اور انہیں گولی کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔"

درحقیقت یہ سامراج نواز اور شاہ پرست، علماء ہی افغان عوام کے بڑے دشمن ہیں۔ یہ قرون وسطیٰ کی یادگار ہیں۔ ان کی بقا، بادشاہت، شہنشاہت، قبائلی اور جاگیردارانہ نظام سے وابستہ ہے۔ بادشاہ، سردار اور جاگیردار ان کے آقا ہیں۔ اپنے آقاؤں کے اقتدار کے تحفظ کے لئے مذہب کا سہارا لیتے ہیں، عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اپنے حلوے مانڈے کا انتظام کرتے ہیں۔ امان اللہ خان ترقی پسند نظریات کے حامی تھے۔ وہ افغان عوام کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتے تھے۔ ملک کو ترقی دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں اقدامات بھی کئے۔ لیکن یہ اقدامات قبائلی سرداروں اور نوکر شاہی کے مفادات کے منافی تھے۔ انہوں نے علماء کو آگے بڑھایا۔ اور علماء نے اپنے آقاؤں کا حق نمک اس طرح ادا کیا کہ امان اللہ خان کے خلاف کفر کے فتوے جاری کئے اور ملکہ ثریا کی نقلی عریاں تصویریں عوام میں تقسیم کیں۔ عوام کے مذہبی جذبات ابھارے۔ ان سامراج نواز اور عوام دشمن مولویوں نے ایک ڈاکو بچہ سقہ کا ساتھ دیا۔ جس نے ۱۹۲۹ء میں شاہ امان کا تختہ الٹ دیا اور افغان عوام پر ترقی کے دروازے بند کر کے انہیں پس ماندگی اور افلاس کے دور میں دھکیل دیا۔

جب سردار داؤد نے شاہ ظاہر شاہ کی حکومت کا تختہ الٹا۔ اور جمہوریت کے نفاذ کا وعدہ کیا، تو افغانستان کے بائیں بازو کے عناصر، قوم پرست علماء اور عوام نے ان کی حمایت کی۔ کمیونسٹ طلباء کی تنظیم "شعلہ جاوید" نے نئی حکومت کا خیر مقدم کیا۔ جمعیت العلمائے اسلام اور جمعیت علمائے افغانستان نے عوام سے کہا کہ وہ نئی حکومت کی اطاعت کریں۔ لیکن سردار داؤد نے ابھی تک اپنے وعدے پر عمل نہیں کیا۔ انتخابات کروانے کا اعلان نہیں کیا۔ وہ ایک مرکزی کمیٹی کے ذریعے حکومت چلا رہے ہیں جن میں اکثریت فوجی افسروں کی ہے۔ یہ کمیٹی بھی اختلافات کا شکار ہو گئی ہے۔ کمیٹی میں شامل روس کے تربیت یافتہ نوجوان افسروں اور عمر رسیدہ فوجی افسروں میں، جن میں سردار داؤد بھی شامل ہیں، اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ ان ہی اختلافات کے سبب سردار داؤد کی پوزیشن مستحکم نہیں ہو رہی ہے۔ ان حالات سے سابق وزیر اعظم مسٹر ہاشم میوندوال اور سابق وزیر دفاع جنرل خان محمد نے فائدہ اٹھایا اور حکومت کا تختہ

باقی صفحہ ۳۱ پر

خدا کی بستی کے مظلوم
عوام کا ترجمان

مدیر
وہاب صدیقی

۲۸ ستمبر - ۴ اکتوبر ۱۹۷۳ء
قیمت : ــــــ ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے : ایک روپیہ

اداریہ

ہفت روزہ
الفتح

جلد : ۴ ــــــ شمارہ : ۲۰

## خاص مضامین



●

سرورق : اقبال مہدی
عکاس : گرینگو

فون : ۴۱۲۲۷۴

# تاریخی کنونشن

اس ہفتے کا سب سے اہم واقعہ ملک گیر پیمانے پر اخباری صنعت کے کارکنوں کا پہلا اور تاریخی کنونشن ہے۔ بالآخر پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس نے اپنی عملی جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کی بدولت اخباری صنعت کے تمام کارکنوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا اور ابتدائی سطح پر ایک تنظیمی ڈھانچے کی تشکیل کر دی ہے، جس کا نام پاکستان نیوز پیپر ایڈہاک کمیٹی رکھا گیا ہے اور اس میں پاکستان بھر کی اخباری صنعت کی ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں کو شامل کیا گیا ہے۔

اخباری صنعت کے کارکنوں کے اس اتحاد کے دورس نتائج نکلیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ملک بھر میں یہ شعور تقویت پکڑ رہا ہے کہ مظلوم اور محروم طبقات کا اتحاد ناگزیر ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اخبار نویس اپنے آپ کو بہت بڑی توپ سمجھتے تھے اور ممکن ہے کہ درمیانے طبقے کے شہریوں کی وجہ سے اب بھی اس امتیاز کو برقرار رکھنے پر بضد ہوں۔ اس کی وجہ صاف اور واضح یہ ہے کہ اخبار نویس کی رسائی دور دور تک ممکن رہی ہے۔ پی۔ ایف۔ یو۔ جے کی فعال اور مؤثر قیادت نے اخباری صنعت میں اخبار نویس اور اخباری صنعت کے دوسرے کارکنوں کو متحد کرنے اور اس مصنوعی گروفر کو ختم کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد کی۔ عبوری امداد کا سوال سامنے آیا تو پی۔ ایف۔ یو۔ جے نے اسے محض اس بنیاد پر تسلیم کرنے سے انکار کردیا کہ غیر صحافی عملے کو عبوری امداد کا مستحق قرار نہیں دیا گیا تھا۔

ارشاد راؤ پبلشر نے حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح، ۸ ڈی۔ نرسری کمرشل ایریا پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

غیر صحافی عملے کو عبوری امداد دلانے کے لئے ملک بھر میں دس روز تک مکمل ہڑتال کی گئی۔ اس کے نتیجے میں غیر صحافیوں کو عبوری امداد تو مل گئی لیکن کم و بیش ڈیڑھ سو صحافی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنے۔ وہ بیروزگار کر دیئے گئے۔ اس قربانی نے غیر صحافی کارکنوں میں اس احساس کو جنم دیا کہ پی۔ ایف۔ یو۔ جے صرف صحافیوں کی ہی نمائندہ نہیں بلکہ وہ عملی طور پر پوری اخباری صنعت کے کارکنوں کی ترجمان ہے۔

پی۔ ایف۔ یو۔ جے کے اس عمل سے مالکانِ اخبارات اور ہر دور میں حکومت نے مزاحمت کی۔ اپنے پالتو ایجنٹوں، موقع پرستوں اور طالع آزماؤں کے ذریعے متوازی تنظیمیں قائم کرائیں مگر ان کی حقیقت کاغذی اور پاکٹ تنظیموں سے زائد نہیں رہی۔ یہ تنظیمیں مالکان اور حکومت کے ایجنٹوں کی پروردہ تھیں لہٰذا انہوں نے ہمیشہ اپنے آقاؤں کے مفادات کا تحفظ کیا اور عمل کے دوران دفن ہوگئیں۔ یہ ان کا مقدر تھا کیونکہ ان کی بنیاد کارکنوں کی بیدخلیوں، چھانٹی اور معاشی قتلِ عام پر رکھی جاتی رہی ہے۔

پیپلز پارٹی کو برسرِ اقتدار لانے میں اخباری صنعت کے کارکنوں کی اکثریت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مرکزی وزیرِ تعلیم اور قانون پارلیمانی امور جناب عبدالحفیظ پیرزادہ جب وزیرِ اطلاعات مقرر ہوئے تو انہوں نے بلاشبہ اخباری صنعت کے ان کارکنوں کی خدمات کا اعتراف کیا جنہوں نے ایوب اور یحییٰ آمریت کے خلاف پیپلز پارٹی کی جدوجہد میں بھرپور ساتھ دیا تھا اور وہ بیروزگار کر دیئے گئے تھے۔ انہیں ملازمتوں پر بحال کرایا مگر جونہی سابق امیر جماعت اسلامی مولانا کوثر نیازی نے قلمدانِ وزارتِ اطلاعات سنبھالا، انہوں نے اخباری صنعت کے کارکنوں کے خلاف اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا جس کا خاکہ جماعت اسلامی نے تیار کیا تھا اور عملدرآمد کا آغاز نوابزادہ شیر علی خان نے کیا تھا۔ پیپلز پارٹی اقتدار میں آنے سے قبل ملک کی واحد سیاسی جماعت تھی جسے صحافیوں اور اخباری کارکنوں کی اکثریت کی دلی ہمدردیاں حاصل تھیں، اور آج پیپلز پارٹی ملک کی واحد سیاسی جماعت ہے جو صحافیوں اور اخباری صنعت کے دوسرے کارکنوں کی حمایت سے مکمل طور پر محروم ہو چکی ہے۔ اس صنعت کے کارکنوں میں حکومت کے خلاف نفرت کے شدید جذبات پیدا ہو چکے ہیں۔

اس اتحاد کو توڑنے کے لئے مولانا موصوف اور مالکان اخبارات اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں گے۔ پورے ذرائع استعمال کریں گے۔ ممکن ہے پھر کوئی متوازی تنظیم کو کھڑا کریں مگر ہمیں یقین ہے کہ اس کا حشر بھی اس قسم کی پہلی تنظیموں سے بھی برا ہوگا اور حکومت کے خلاف مزید نفرت پھیلے گی۔

صحافی اور غیر صحافی کارکنوں کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ حکومت اور پریس کے درمیان بہتر تعلقات قائم ہوں مگر مولانا موصوف نے ہر اس اقدام کو سبوتاژ کیا اور کشیدگی بڑھانے میں پیش پیش رہے۔ انہوں نے چند افراد کو سرکاری خزانے کے بل بوتے پر خرید لیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انکے ذریعے اخباری صنعت کے کارکنوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیں۔ انہوں نے اپنے اس پروگرام کا آغاز پی۔ ایف۔ یو۔ جے کے صدر جناب منہاج برنا کی مخالفت سے کیا ہے۔ کہا جاتا ہے پی۔ ایف۔ یو۔ جے تو جمہوری ادارہ ہے، مگر برنا اس پلیٹ فارم سے اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں۔ یہ تو مولانا خود ہی فرمائیں گے کہ سیاسی مقاصد کون حاصل کر رہا ہے، وہ یا برنا صاحب۔ جہاں تک برنا صاحب کی ذات کا تعلق ہے وہ کسی ایک فرد کا نام نہیں ہے۔ پی۔ ایف۔ یو۔ جے کے بالکل اسی طرح سے منتخب صدر ہیں جیسا کہ وزیرِ اعظم بھٹو ملک کے منتخب نمائندے ہیں۔ برنا کی سیاست اخباری صنعت کے کارکنوں کو متحد اور منظم کرنا ہے، ان کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ اس کے لئے قربانیاں دینا ہے۔ وہ اس سیاست میں کامیاب ہو گئے ہیں، اور اب اخباری صنعت کے کارکنوں کی مرکزی تنظیمی کمیٹی کے منتخب چیئرمین ہیں۔ ان پر اخباری صنعت کے کارکنوں کے کنونشن نے بالاتفاق رائے اپنے مکمل اور بھرپور اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

مولانا محترم، یہ تو برنا صاحب کی عظمت ہے۔ اپنا مقام جاننا چاہتے ہیں تو اخباری صنعت کے کارکنوں میں آکر ملاحظہ فرمائیے، لوگ کس طرح استقبال کرتے ہیں۔

ہم اخباری صنعت کے کارکنوں کو اس عظیم اتحاد پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں، اور جناب منہاج برنا کو اس شاندار کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔



امریکی امداد نہ ہوتی تو اسرائیل عربوں کے خلاف جنگ کو طول دینا تو کجا، جنگ چھیڑنے کے بارے میں سوچتا تک نہیں نہ ہی ہند چینی میں خون کی ندیاں بہتیں اور نہ پرتگالی نوآبادکاروں کو افریقی عوام کے خون سے ہاتھ رنگنے کا موقع ملتا۔



واقف حال — احوال واقعی

# ملکی سیاست میں امریکی گندم اپنا رنگ دکھائے گی

## مسٹر بھٹو کو امریکی اسلحہ فراہم کرنے کی یقین دہانی کرا دی گئی

دورہ امریکہ کے دوران وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے صدر نکسن سے ان امور پر مذاکرات کئے۔

—— اقتصادی امور

—— ثقافتی امور

—— فوجی امور

حالیہ ہولناک سیلاب نے ملک کی اقتصادیات کی کمر توڑ دی ہے۔ دسمبر ۷۱ء کی جنگ سے زیادہ نقصان ہوا ہے۔ وفاقی حکومت ملک کی معیشت کی بحالی کے لئے عالمی بینک کنسورشیم اور غیر ممالک سے اقتصادی امداد کی طلب گار ہے۔

اس سلسلے میں وزیر اعظم بھٹو نے ۱۷ ستمبر کو ایمسٹرڈم میں عالمی بنک کے نائب صدر مسٹر کارگل سے ملاقات کی۔ گفتگو کے دوران پاکستان کے لئے کنسورشیم کی اقتصادی امداد کا معاملہ بھی زیر بحث آیا۔ مسٹر کارگل نے بتایا کہ عالمی بنک سیلاب سے ہونیوالے نقصانات کی تلافی کے لئے پاکستان کو امداد دینے پر غور کر رہا ہے اور اس کی ضرورت کا اندازہ لگانے کے لئے عنقریب عالمی بنک کے چند حکام پاکستان جائیں گے۔ عالمی بنک کے باوثوق ذرائع کے مطابق غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے معاملہ پر بھی بات چیت ہوتی۔ ان ذرائع نے امید ظاہر کی ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان ہونے والے معاہدہ دہلی کی بدولت پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کا مسئلہ بھی طے ہو جائے گا، اور جون ۱۹۷۴ء میں قرضوں کی ادائیگی کی مختصر معیاد کے معاہدے کی مدت ختم ہونے سے قبل طویل مدت کا معاہدہ ہو جائے گا۔ جون ۷۴ء کے بعد پاکستان بنگلہ دیش کے قرضے ادا نہیں کرے گا۔ مذاکرات کے درمیان یہ طے پایا کہ مختلف منصوبوں کے لئے قرضوں کو پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان تسلیم کیا جائے۔ لیکن اشیاء کی صورت میں ایسا نہیں کیا جائے گا۔

وزیر اعظم بھٹو نے صدر نکسن سے دس لاکھ ٹن گندم اور ایک لاکھ ٹن خوردنی تیل دینے کی درخواست کی۔ برطانوی خبر رساں ایجنسی رائٹر کے مطابق وہائٹ ہاؤس اس درخواست پر غور کر رہا ہے۔ اس نے چھ لاکھ ٹن گندم اور ۶۰ ہزار ٹن خوردنی تیل دینے کا اعلان کیا ہے۔ مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ امریکہ آئندہ سال پاکستان کو ۷ کروڑ ۷۰ لاکھ ڈالر کی امداد دے گا۔

بظاہر یہ خوش آئند بات ہے کہ وزیر اعظم بھٹو امریکہ سے اقتصادی امداد لینے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس امداد سے وطن عزیز کی سیاست اور اقتصادیات پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ پاکستان پہلے ہی غیر ملکی امداد اور قرضوں تلے دبا ہوا ہے۔ اس کا بال بال مقروض ہے۔ چنانچہ پاکستان کے سابق وزیر خزانہ اور ۲۲ سرمایہ دار خاندانوں کے رکن مسٹر امجد علی نے اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ "پاکستان حد سے زیادہ امریکہ کا معاشی غلام بن چکا ہے"۔

# ۱۹۷۴ء کے بعد پاکستان بنگلہ دیش کے قرضے ادا نہیں کریگا

حکومت کا یہ خیال غلط ہے کہ امریکی اقتصادی امداد سے پاکستان کی معیشت بحال اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوجائیگی۔ حکومتِ پاکستان کے سابق چیف اکنامسٹ ڈاکٹر محبوب الحق کی رائے ہے کہ بیرونی امداد سے ملک کی اقتصادی بربادی ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا بالکل حماقت ہے کہ واشنگٹن اقتصادی امداد اس لئے دے رہا ہے کہ اسے ہمارے ملک اور عوام سے ہمدردی ہے، بلکہ اس میں اس کا اپنا مفاد ہے۔ امریکی داخلہ کمیٹی برائے امور نے امریکہ کی جانب سے پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں کو دیئے جانے والی اقتصادی امداد کے متعلق یہ اعتراف کیا

"سب سے اہم بات یہ ہے کہ قومیں ترقی کرنا چاہتی ہیں۔ ہم صرف ان کے ترقیاتی منصوبوں میں مختلف عنوان سے شرکت کرنے کے بعد ہی اپنا مفاد حاصل کر سکتے ہیں۔"

یہ کہنا بھی غلط اور بے بنیاد ہے کہ امریکی امداد سے پاکستان کو فائدہ ہوگا۔ بعض حقیقت پسند امریکیوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اقتصادی امداد دینے سے امریکہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ سینیٹر گلارڈ نلسن نے امریکی اقتصادی امداد پر طنز کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں انکل سام کو بیرونی امداد میں کوئی نقصان نہیں بلکہ اس امداد سے خود انکل سام فائدہ اٹھا رہا ہے۔ امریکی صنعت کار بہت منافع کما رہے ہیں۔ غریب صارفین اور پسماندہ ممالک جن کے بارے میں ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ان کی مدد کر رہے ہیں، زبردست خسارے میں ہیں۔"

غیر ملکی امداد اپنے ساتھ سیاسی محرکات اور اثرات بھی لاتی ہے۔ لیاقت علی خان کے زمانے میں امریکہ نے پاکستان کو اقتصادی امداد دی۔ بعد میں اسی امداد کے بدولت، ہمیں دو طرفہ فوجی معاہدے سیٹو اور سینٹو میں جکڑ لیا۔ ہمیں اپنی خارجہ پالیسی تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا۔ ماضی کی حکومتوں نے اس پر سر تسلیم خم کیا اور وطن عزیز کو امریکہ کی گود میں بٹھا دیا۔

دراصل امریکی اقتصادی امداد وہ سنہرا جال ہے جس میں چھوٹے ملکوں کو پھنسا کر ان پر سامراجی فوجی معاہدے تھوپ دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے خیال میں امریکہ کی حالیہ اقتصادی امداد نہ صرف وطن عزیز کے بعد بلکہ خود پیپلز پارٹی کے لئے نقصان دہ ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی اپنے منشور کے مطابق صنعتی اداروں کو سرکاری تحویل میں لینا چاہتی ہے۔ مگر غیر ملکی سرمایہ کاری اور اقتصادی امداد اس میں دیوار کی طرح حائل ہو گئی ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ گزشتہ دنوں بناسپتی گھی کی صنعت سرکاری تحویل میں لی گئی۔ لیکن ڈالڈا بنانے والے ادارے کو سرکاری تحویل میں نہیں لیا گیا۔ کیونکہ یہ ادارہ لیور برادرس کا ہے، جو ایک امریکی فرم ہے۔ واشنگٹن کے نیشنل پریس کلب کے ظہرانے میں وزیر اعظم بھٹو سے سوال کیا گیا ہے کہ جب وہ صنعتی اداروں کو سرکاری تحویل میں لینا چاہتے ہیں تو غیر ممالک کے سرمایہ دار پاکستان میں سرمایہ کاری کیوں کریں؟ اس کے جواب میں مسٹر بھٹو نے کہا

**پاکستان امریکہ کا**

**معاشی غلام بن گیا**

**سرمایہ داروں کے نمائندے کا اعتراف**

کہ جب روس اور چیکوسلواکیہ جیسے سوشلسٹ ممالک میں غیر ملکی سرمایہ کاری ہو سکتی ہے تو پاکستان میں کیوں نہیں ہوسکتی۔ اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ وہ حکومتِ پاکستان سے غیر ملکی سرمایہ کاری کے تحفظ کی ضمانت چاہتے تھے۔ اگر وفاقی حکومت اسی طرح سے غیر ملکی سرمایہ کاری کا تحفظ کرتی رہی تو استحصال سے پاک معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا، جیسا کہ پیپلز پارٹی نے وعدہ کیا ہے۔ کیونکہ غیر ملکی سرمایہ کاری ہی سب سے زیادہ استحصال کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن ممالک میں حقیقی سوشلسٹ انقلاب آیا، سب سے پہلے غیر ملکی سرمایہ کو ضبط کیا گیا۔ اور غیر ملکی سرمایہ کاری پر پابندی لگائی گئی۔ مناسب اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ پاکستان کے تمام وسائلِ دولت اور ذرائع پیداوار قومی ملکیت میں لے کر زیادہ سے زیادہ پیداوار بڑھائی جائے۔ اور سوشلسٹ بنیادوں پر ملک کی اقتصادیت استوار کی جائے، جب ہی ملک کی معیشت حقیقی معنوں میں بحال اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے۔ بیرونی امداد سے آج تک کسی ملک کی اقتصادی ترقی نہ ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔

وزیر اعظم بھٹو نے وہائٹ ہاؤس سے فوجی امداد بھی درخواست کی ہے، ۱۹ ستمبر کو امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر بھٹو نے کہا کہ "ہمیں جارحیت کے خلاف اپنے دفاع کے لئے ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔ ہمیں صرف فاضل پرزوں کی نہیں بلکہ گرم اور سرخ ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔" بی بی سی کے نمائندے کے مطابق پاکستان نے امریکہ سے فضا میں مار کرنے والے میزائل اور میزائلوں سے لیس جنگی جہازوں کی خریداری کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سفارتی حلقوں کا خیال ہے کہ پاکستان امریکہ سے بھاری مقدار میں اسلحہ خریدنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ بظاہر اس میں چند مشکلات درپیش ہیں کیونکہ کانگریس اسلحہ کی سپلائی کے "موڈ" میں نہیں ہے۔ لیکن فنانشل ٹائمز لندن کا خیال ہے کہ صدر نکسن نے مسٹر بھٹو کو کسی نہ کسی شکل میں امریکی اسلحہ دینے کی یقین دہانی کرائی ہوگی کیونکہ وزیر اعظم بھٹو نے صدر نکسن سے دو روزہ مذاکرات کے بعد اپنی پریس کانفرنس میں یہ تاثر دیا تھا کہ وہ امریکہ سے خالی ہاتھ واپس نہیں جا رہے ہیں۔

ہمارے خیال میں وہائٹ ہاؤس نے اسلحہ سپلائی کرنے کا وعدہ کر لیا ہے، کیونکہ امریکی سامراج ہر وہ اقدامات کرنے پر تیار رہتا ہے جس میں اس کا فائدہ ہو اور منافع کمایا جا سکے۔ اسلحہ کی سپلائی میں سب سے زیادہ منافع ہوتا ہے۔

باقی صفحہ ۲۸ پر



## یوم انقلاب چین

یکم اکتوبر ۱۹۷۳ء کو چینی انقلاب کی ۲۴ ویں سالگرہ منائی جارہی ہے۔ اس موقع پر ہم پاکستانی عوام کی جانب سے اپنے عظیم محسن اور دوست، چینی کمیونسٹ پارٹی، چیئرمین ماؤزے تنگ اور چینی عوام کو سلام کرتے ہیں۔ (ادارہ)

# چینی کمیونسٹ پارٹی کی دسویں

# قومی کانگریس کی روداد

ضیا اقبال

## امریکہ اور روس کی ہوس ملک گیری کے مقابلے کے لئے چھوٹی قوموں کے ساتھ وسیع تر متحدہ محاذ بنایا جائے

**۲۴ اگست** ۱۹۷۳ء کو پیکنگ میں بین الاقوامی پرولتاری انقلاب کی نقیب چینی کمیونسٹ پارٹی کی دسویں قومی کانگریس کا انعقاد ہوا۔ اور ۲۸ اگست کو یہ کانگریس دنیا بھر کے مظلوم عوام، محنت کشوں اور نوآبادیاتی اور سامراجی جبر و استحصال کی شکار قوموں کو نظریاتی ڈھارس دیتی ہوئی اختتام پذیر ہوئی۔

چینی کمیونسٹ پارٹی کی دسویں قومی کانگریس کی اہمیت صرف چینی عوام تک محدود نہیں۔ بلکہ پوری دنیا خصوصاً ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے مزدوروں، کسانوں اور محنت کش عوام کے لئے بھی اس کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ کیوں کہ انقلاب ایک تخلیقی اور سائنسی عمل ہے۔ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں جنم لینے والی عوامی اور انقلابی تحریکوں اور جدوجہد کو بین الاقوامی صورت حال سے الگ کر کے دیکھا نہیں جا سکتا۔ دنیا کے نقشہ میں عوامی جمہوریہ چین کی حیثیت ایک تجربہ گاہ جیسی ہے، جہاں اس صدی کے عظیم ترین فلسفے مارکسزم اور لینن ازم کے اطلاق کی عملی جدوجہد اور تجربیت، سائنسی مدارج اور مرحلوں سے گذرتی ہوئی کافی آگے بڑھ چکی ہے۔ عظیم لینن نے کہا تھا۔

و تاریخ میں ایک ایسا دور ضرور آئے گا کہ پوری دنیا کو کمیونسٹ حکمتِ عملی کو اپنی راہ عمل کے طور پر اپنانا پڑے گا،

عظیم لینن کے اس قول کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ چینی کمیونسٹ پارٹی اور چینی انقلابی عوام کے تجربات کرۂ ارض کے مظلوم عوام، استحصالی اور محکومی کی شکار قوموں، محنت کشوں، کسانوں اور مارکسی۔ لینینی فلسفیوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ روشنی کا مینار ہیں۔ دسویں قومی کانگریس بھی اس دور کے معروضی حقائق کی روشنی میں ٹھوس، مادی تجربات کے نچوڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔

چینی کمیونسٹ پارٹی کی دسویں قومی کانفرنس میں شرکت کے لئے پورے ملک سے ۱۲۴۹ مندوبین منتخب کئے گئے۔ مندوبین کا انتخاب پارٹی کے اندر اور باہر باہمی گفت و شنید، مشوروں اور افہام و تفہیم سے ہوا۔ کانگریس کے شرکاء کارخانوں کے مزدوروں، چھوٹے اور درمیانے طبقے کے کسانوں، انقلابی دانشوروں اور صحافیوں پر مشتمل تھے، ۶۷ فی صد

# تیسری عالمگیر جنگ کا خطرہ اب بھی موجود ہے

مندوبین مزدور، کسان اور عوامی سپاہ آزادی کے ارکان تھے، اور ۲۰ فی صد نشستیں خواتین کے لئے مختص کی گئی تھیں۔

اس کانگریس کی صدارت دورِ حاضر کے عظیم مارکسی لینِنی استاد کامریڈ ماؤزے تنگ نے کی، چار روزہ کانگریس کا ایجنڈا یہ تھا۔

چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کی سیاسی رپورٹ۔

پارٹی کے نئے مسودۂ آئین کی منظوری۔

دسویں مرکزی کمیٹی کی قیادت کا انتخاب۔

چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کی سیاسی رپورٹ ۲۴ اگست کو کامریڈ چو، این، لائی نے پیش کی۔ بحث و مباحثہ کے بعد ۲۸ اگست کو یہ رپورٹ اتفاق رائے سے منظور کی گئی۔ پارٹی کے آئین میں ترمیموں کا ڈرافٹ شنگھائی کے جواں سال پارٹی رہنما کامریڈ وانگ ہنگ دین نے پیش کیا۔ جو ۲۸ اگست کو منظور کیا گیا۔

کانگریس کے افتتاح کے موقع پر جیسے ہی کامریڈ ماؤزے تنگ ہال میں داخل ہوئے۔ پورا ہال پُرجوش تالیوں اور "ماؤ توسی وان سوائے" کے ولولہ انگیز، نعروں سے گونج اٹھا۔ ہال کی دیواریں، مارکس اینگلز، لینن، اسٹالن اور ماؤزے تنگ کی تصویروں سے مزّین تھیں۔ جگہ جگہ سُرخ پرچم لہرا رہے تھے۔

کانگریس میں تمام مندوبین نے لن پیاؤ اور اس کے ساتھیوں کو پارٹی سے نکال دینے کی قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی۔ لن پیاؤ کو سازشی، انقلاب دشمن، دوغلا اور پارٹی کا غدّار قرار دیا گیا۔ مخالف لیڈر چن پوتا پر بھی انقلاب دشمنی، ٹراٹسکی کا حامی اور ترمیم پسند ہونے کا الزام ثابت کرتے ہوئے تمام مندوبین نے متفقہ طور سے اسے بھی پارٹی کی بنیادی رکنیت سے خارج کرنے کی قرارداد منظور کی۔

کامریڈ چو این لائی نے اپنی سیاسی روداد میں کہا۔ "موجودہ صورت حال میں ہمیں لن پیاؤ کی سیاسی لائن پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے اپنی حکمتِ عملی درست رکھنے کو فوقیت دینی ہوگی۔ ہمیں لن پیاؤ اور اس کے ساتھیوں کے منفی طرزِ عمل سے سیکھنا چاہیئے تاکہ ہم اپنی پارٹی اور عوام کو عملی جدوجہد میں درست نظریات سکھانے کے قابل ہوسکیں۔ ہمیں مارکسزم لیننزم کا مطالعہ کرنا چاہیئے، اور اس کی روشنی میں ترمیم پسندی اور رجعت پسند کائناتی نظریات پر بھرپور تنقید کرنی چاہیئے، انہوں نے کہا ہمیں کلچر کے ہر میدان میں بہتر کام کرنے کے لئے تنقید اور عمل کو مزید ترقی دینی چاہیئے اور اپنے عمل کو دسویں کانگریس میں وضع ہونے والی پارٹی لائین اور نئے آئین کے مطابق ڈھالنا چاہیئے: تاکہ ہم ایک

ہمیں قومی تنگ نظری کا

شکار نہیں ہونا چاہیئے

چو این لائی



ایسی باقوت پارٹی کی حیثیت سے ابھر سکیں۔ جو بورژوازی سے مقابلہ کرتے ہوئے محنت کشوں کی آمریت کو مضبوط کرسکے۔

کانگریس کو بتایا گیا کہ "موجودہ بین الاقوامی صورت حال افراتفری سے عبارت ہے اس نوعیت کی افراتفری انقلاب کے لئے بہت بہتر ثابت ہوسکتی ہے، اس افراتفری کی ترقی یافتہ صورت عوامی قوتوں کے حق میں ہوگی اور ترمیم پسندانہ اور سامراجی رجحانات کے لئے ایک چیلنج۔ اکانگریس نے انقلابی عزم کو تازہ کرتے ہوئے یہ تہیّہ کیا گیا کہ ہمیں قومی تنگ نظری کا شکار نہیں ہونا بلکہ پرولتاری بین الاقوامیّت کا علمبردار رہنا ہے اور اپنے اتحاد کو دنیا بھر کے مزدوروں، پسے ہوئے عوام اور چھوٹی کچلی ہوئی قوموں سے مربوط کرتے ہوئے پارٹی کی صبر آزما پالیسیوں پر ڈٹے رہنا ہے۔

کانگریس کو بتایا گیا کہ "ہمیں بین الاقوامی پیمانے پر سامراج، نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی تسلّط اور خصوصی طور پر روس اور امریکہ جیسی دو بڑی قوتوں کی ہوس گیری کا مقابلہ کرنے کے لئے بیرونی تسلّط کی شکار چھوٹی قوموں کے ساتھ وسیع متحدہ محاذ بنانا ہوگا۔ ایک نئی جنگِ عظیم کا خدشہ ابھی موجود ہے۔ ہمیں ہر صورت میں دنیا میں ہونے والے جبر کی ہر جنگ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ خواہ وہ سامراج کی طرف سے ہو یا سوشل سامراج کی طرف سے۔ ہم ترمیم پسندی کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر لمحے دنیا کی درست مارکسی لیننی پارٹیوں سے اتحاد کی کوشش جاری رکھیں گے۔ کانگریس نے محنت کشوں، غریب اور نچلے درمیانہ طبقے کے کسانوں، عوامی فوجِ آزادی کے جیالوں اور تمام قومیتوں کے عوام کو جبر کی جنگوں، سامراجی عالمی جنگ اور خصوصی طور پر سوشل سامراج کے کسی بھی اچانک حملے کا منہ توڑ جواب دینے اور حملہ آور کے دانت کھٹے کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنے کو کہا۔

کامریڈ وانگ ہنگ وین نے کانگریس کے روبرو سنٹرل کمیٹی کی طرف سے پارٹی کے نئے آئین کا چھ نکاتی منصوبہ پیش کیا۔ مسودہ پیش کرنے سے قبل انہوں نے کہا کہ "گذشتہ چار سال کا عمل اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نویں کانگریس میں منظور شدہ پارٹی آئین اور سیاسی لائین درست حکمتِ عملی پر مشتمل تھی۔ لن پیاؤ کی سیاسی لائین کی ناکامی اور ہماری اندرونی اور بیرونی محاذ پر طبقاتی جدوجہد اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہے۔ آج پیش کئے جانے والے ڈرافٹ کے لئے سنٹرل کمیٹی کا اجلاس ایک ماہ قبل ہوا تھا، تاکہ بدلتے ہوئے تاریخی اور مادی حقائق کے پیشِ نظر آئین میں ترامیم کی جاسکیں۔ کمیٹی کے اندر اور باہر مختلف سیکٹروں سے کل ۱۶۱ ڈرافٹس موصول ہوئے

باقی صفحہ ۲۸ پر



منہاج برنا، صدر پی ایف یو جے

PFUJ

قلم کے مزدوروں کی ملک گیر ہڑتال

فضل الٰہی

# 20 ستمبر کو سنگینوں کے سائے میں

## وزارتِ اطلاعات کے افسروں، مالکان اخبارات اور ضمیر فروشوں نے چھیتھڑے نکالے

۲۰ ستمبر ۷۳ء کی صبح اخباری صنعت کے کارکنوں کی زندگی میں اتحاد، جدوجہد اور فتح و نصرت کی علامت بن کر نمودار ہو رہی تھی۔ نیوچالی کے ایک ہوٹل میں چاول اور گندم سے بھری ہوئی بوریاں اٹھاتے والے مزدور ملیاری چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بڑی حیرت اور تعجب سے مسلح پولیس سے بھرے ہوئے ٹرکوں کی ناکہ بندی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ان ٹرکوں اور لاریوں کے اردگرد پولیس کی جیپیں تیزی سے گھوم رہی تھیں۔ پولیس افسر وائرلیس کے ذریعہ اعلیٰ حکام کو منٹ منٹ کی خبریں دے رہے تھے۔ نیوچالی سے سٹی اسٹیشن جانے والی سڑک کے قریب ہی غیر معمولی لمبی گاڑیاں بھی پوزیشن سنبھالے کھڑی تھیں۔ ان گاڑیوں میں ہلکے ہتھیار فٹ تھے فیڈرل سیکورٹی کے جوان اس انداز میں کھڑے تھے جیسے حکم ملتے ہی وہ دشمن کے مورچہ پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دیں گے۔ دوسری جانب بھی مسلح پولیس کا کم و بیش اتنا ہی سخت پہرہ تھا۔ پولیس سے بھرے ہوئے ٹرک، گاڑیاں اور جیپیں قطار اندر قطار پیپلز پارٹی کے ترجمان اخبار روزنامہ "مساوات" کے دفتر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مساوات کے دفتر کے نیچے فٹ پاتھ پر تمام حالات سے بے خبر چند ایسے پھٹے حال لوگ گہری نیند سو رہے تھے جن کا کوئی گھر نہ تھا۔ ایسی کوئی چھت نہ تھی جو ان کے ننگے اور بھوکے جسموں کو ڈھانپ لیتی۔

نیوچالی کے فٹ پاتھئے ہوٹل بھی آہستہ آہستہ کھلنے شروع ہو گئے۔ میلی میلی کیتلیوں میں چائے کا پانی اسٹوو کی آگ پر اُبل رہا تھا۔ بڑی بڑی کڑاہیوں میں پوریاں تلنے کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ فٹ پاتھ پر سستے داموں مٹر پوڑی سے ناشتہ کرنے والے مزدور بھی آج حیرت سے اس علاقہ میں پولیس کے کروفر کا ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔

ایک جگہ فٹ پاتھ پر چند اخبارات نما چیتھڑوں کے بنڈل پڑے تھے۔ مسلح پولیس نے ان اخبارات کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دیا تھا۔ وہ چوکنا نظروں سے سڑکوں اور گلیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ جیسے ابھی ابھی نامعلوم افراد توپ کا دہانہ کھول کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے، اور ان چیتھڑوں کے بنڈل اٹھا کر فرار ہو جائیں گے۔ پولیس کے سارے انتظامات دیکھ کر یہی گمان ہوتا تھا۔



ظفر رضوی، صدر کے یو جے

ملیاری ہوٹل سے پیلے چہرے والے دو مزدور چائے پی کر باہر نکلے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "اے منن ہم کو تو ایسے لگے ہے جیسے ہمرے جوان کسی بہت بڑے دشمنوا کی گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ ای سب کا تماشہ ہوت ہے؟"

دوسرے مزدور ساتھی نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ "ہمری سمجھ میں تو کچھ نہیں آوت ہے۔ آج یہاں کا ہوتے والا ہے، اتنے سارے پولیس کے لوگن یہاں کا کرت ہیں"؟

ان کے قریب ہی فٹ پاتھ پر ایک دوسرا آدمی کھڑا ان کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ وہ چہرے مہرے اور وضع قطع سے ہاکر لگ رہا تھا۔ اس نے ان کے قریب جا کر کہا۔ "بات یہ ہے کہ ۱۹ ستمبر کو اخبارات اور نیوز ایجنسیوں میں کام کرنے والوں کی ۲۴ گھنٹے کی علامتی ہڑتال تھی حکومت نے پہلے تو دھونس، دھمکی اور فریب سے کام لینے کی کوشش کی۔ لیکن جب یہ تمام ہتھیار کارگر نہ ہوئے اور کارکنوں نے ہڑتال کر دی تو انتظامیہ بوکھلا گئی۔ چنانچہ کل رات سرکاری

# غداروں کو ترقیاں اور تفریحی سرٹیفکیٹ ملیں گے

افسروں اور چند بے ضمیر اور بے شرم لوگوں کی مدد سے ایسے چیتھڑے شائع کرائے گئے جنہیں اخبار کا نام دینا سخت توہین ہے۔ حکومت نے سب کچھ اس لئے کیا تا کہ وہ عوام کو یہ تاثر دے سکے کہ کل کی ہڑتال ناکام ہو گئی۔ اور اس صنعت کے بیشتر ملازمین نے اپنا کام انجام دیا۔" اتنا کہنے کے بعد وہ ہاکر خاموش ہو گیا۔

انہوں نے دوسرا سوال کیا۔ یہ ہڑتال کاہے کے لئے تھی؟ اس نے جواب دیا۔ "حکومت نے ملک کے تین اخبارات روزنامہ حریت، جسارت اور سندھی اخبار مہران پر الزام عائد کئے بغیر ۳۰ روز کے لئے پابندی عائد کر دی تھی۔ اخبارات کی نمائندہ یونینوں کا کہنا تھا کہ اگر ان اخبارات نے غلط باتیں لکھی تھیں تو ان پر عام قوانین کے تحت عدالت میں مقدمہ چلایا جاتا۔ انہیں اپنی صفائی میں بولنے کا موقع دیا جاتا۔ اگر جرم ثابت ہو جاتا تو انہیں قانون کے مطابق سزا دی جاتی۔ یہ انصاف کا راستہ تھا لیکن حکومت نے ایسا کرنے کی بجائے ان کالے قوانین کے تحت ان اخبارات پر پابندی عائد کر دی جن کے بارے میں حکومت کے رہنما اقتدار ملنے سے قبل زوردار تقریریں کرتے تھے۔ اور عوام سے وعدہ کیا تھا کہ وہ برسر اقتدار آنے کے بعد ان کالے قوانین کو ختم کر دیں گے۔ اخبارات کے کارکنوں کی یونینوں نے مطالبہ کیا تھا کہ ان اخبارات پر سے پابندی ختم کر دی جائے۔ ایڈیٹروں اور پبلشروں کو رہا کیا جائے۔ حکومت نے جب یہ مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو مجبوراً اخبارات کے تمام ملازمین نے احتجاجاً ۱۹ ستمبر کے دن چوبیس گھنٹے کی علامتی ہڑتال کی۔ پریس کا پہیہ جام ہو گیا۔ حکومت ہڑتال توڑنے میں ناکام ہو گئی تو اس نے سرکاری افسروں اور اپنے چمچوں کے ذریعہ دو دو صفحے کے چیتھڑے سرکاری پریس میں چھپوائے۔ نیو چالی پر ان چیتھڑوں کے بنڈل لائے جا رہے ہیں، اور اب فیڈرل سیکورٹی فورس کی نگرانی میں اخبارات تقسیم کرانے کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ میری بات سمجھ گئے، بھائی۔"

"ہاں ہاں تہری بات ہم خوب سمجھت ہیں، جبھی تو کہوں کہ اتنے سارے پولیس والے آج یہاں کا کرت ہیں۔ یہ سفید کپڑوں والے بابو لوگن بھی کھوب ہیں، ہم روٹی خاطر لڑت ہیں اور وہ لوگن پابندی کے خلاف۔ پر سارا رستہ ایک ہی طرف جائے ہے"، ادھیڑ عمر کے مزدور نے جواب دیا، جس کے چہرے کی جھریاں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں کہ اس نے زمانہ کا سرد گرم دیکھا ہے۔

اتنے میں ایک شخص جب اپنی موٹر سائیکل پر چیتھڑوں کا ایک بنڈل رکھ کر یہاں سے روانہ ہوا تو اس کی نگرانی کے لئے مسلح پولیس سے بھری ہوئی ایک جیپ بھی چل پڑی۔ پولیس آٹینشن تھی۔

روزنامہ جنگ، انگریزی اخبار سن اور مارننگ نیوز کے دفتر کے سامنے پولیس کے بھاری ٹرک، گاڑیاں اور جیپیں کھڑی تھیں پولیس مستعد بیٹھی تھی، نگران کے چہرے پر پریشانی اور گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ ان کے خاموش چہرے بول رہے تھے۔ انگریزی اخبار روزنامہ سن کے دفتر میں کام ہو رہا تھا۔ یہ وہی اخبار ہے جب حکومت کی طرف سے پابندی لگائی گئی تو صنعت کے تمام کارکن اس ظلم پر چلا اٹھے۔ اخبارات اور نیوز



اخباری کارکنوں کے جلسے کا ایک منظر




مشرق ایمبلائنز یونین کے صدر ارشاد راؤ
اخباری کارکنوں کے جلسے سے خطاب کر رہے ہیں

# اخباری صنعت کے کارکنوں کے اتحاد نے حکومت کی سازشیں ناکام بنا دیں

ایجنسیوں کے دفاتر میں علامتی ہڑتالیں کی گئیں۔ بھوک ہڑتالیں ہوئیں، مظاہرے کئے گئے، صحافی اور پریس کے کارکنوں پر جھوٹے مقدمات بنائے گئے، جب جاکر حکومت نے پابندی ہٹائی۔ آج اسی اخبار کے مالکان اور ایڈیٹر نے تین اخبارات پر پابندی کے خلاف ۲۴ گھنٹے کی علامتی ہڑتال میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اخبار کے ایڈیٹر شمیم احمد نے ۱۹ ستمبر کی رات کو کارکنوں کے ایک وفد کے سامنے پریس ورکروں کی جدوجہد کا انتہائی بھونڈے انداز سے مذاق اڑایا اور ڈھٹائی کے ساتھ کہہ دیا۔ "روزنامہ حریت، جسارت اور مہران پر پابندی سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وفد کے ارکان نے زہر کا گھونٹ پی کر ایک بار پھر ان سے اپیل کی کہ وہ اس نازک گھڑی میں پریس ورکروں کا ساتھ دیں تو انہوں نے مسخرے پن سے جواب دیا اگر اخبار نہ نکالنے میں فائدہ نظر آئے گا تو وہ اخبار نہیں نکالیں گے، اور فائدہ ہوگا تو وہ ہر قیمت پر اخبار نکالیں گے۔ ان کا یہ جواب ان کی کاروباری ذہنیت کی چغلی کھا رہا تھا۔ انہیں پریس ورکروں سے قطعی کوئی ہمدردی نہ تھی۔ وہ سارے وقت ڈرامہ کرتے رہے، ڈرامہ بولتے رہے۔ اصلی مسئلے سے ہٹ کر ذاتی نوعیت کی شکایات کا دفتر کھول کر بیٹھے تھے۔

روزنامہ ڈان کے دفتر میں کام ہو رہا تھا۔ عمارت کے باہر چاروں طرف پولیس کھڑی تھی۔ کسی آدمی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ باہر نکلنے کے تمام دروازے بند تھے۔ سنگینوں کے سائے میں مشین کا پہیہ چل رہا تھا۔ اخبار تیار کیا جا رہا تھا۔ اس میں مدیر اور مالکان کا سیاسی اور مالی فائدہ تھا۔ شمیم احمد کے کاسہ لیس مٹھی بھر صحافیوں اور ملازمین کی نوکریاں پکی ہو رہی تھیں۔ ان میں احباب نقوی جیسا صحافی بھی شامل تھا، جن کے متعلق کہا جاتا رہا کہ وہ بائیں بازو کی سوچ رکھتے ہیں اور بڑے انسان دوست ہیں۔ جدوجہد نے ان کی سوچ اور کردار کو ننگا کر دیا تھا۔ ان میں اصغر رضوی اور بھاری بھرکم جسم کا اشرف نامی صحافی بھی شامل ہے، جو مارننگ نیوز کے ممتاز صحافی معزز احمد کے انتقال کی خبر سننے کے باوجود پریس کلب کے کارڈ روم میں تاش کھیلتا رہا۔ ایسے لوگ جب تک اس صنعت میں موجود رہیں گے، پریس کارکنوں کی جدوجہد کو سبوتاژ کرتے رہیں گے۔ ان کی سوچ، ان کا عمل ذاتی منفعت کے دائرے میں گھومتا ہے۔ یہ ہمیشہ اجتماعی کاز کو ذاتی فائدے کے لئے قربان کرتے رہیں گے۔

مارننگ نیوز کی مشینوں کا پہیہ بھی گھوم رہا تھا۔ صحافیوں نے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ باہر کے آدمی ڈیسکوں پر بٹھائے گئے اور چیتھڑا تیار کر کے پریس کے حوالے کر دیا گیا۔ ادھر یہ چیتھڑا ایک گندی گالی بن کر باہر نکلنے والا تھا۔ اس عمل سے کچھ لوگوں کا فائدہ ہو گیا۔ کچھ لوگوں کی ملازمتیں پکی ہو گئیں۔ کچھ کو سالانہ ترقی اور پریس ورکروں سے غداری کے عوض تعریفی سرٹیفکیٹ ملیں گے۔

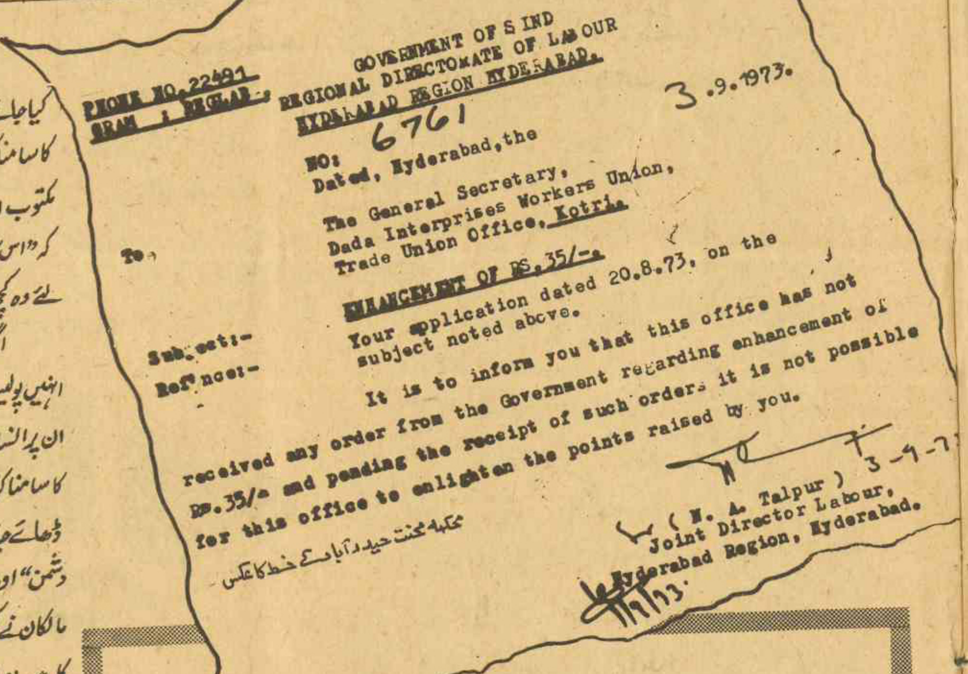
روزنامہ جنگ کا دفتر خاموش پڑا تھا۔ پریس میں تالے پڑے تھے۔ ٹیلی پرنٹر مشینیں چپ چاپ تھیں۔ خوش نویسوں کا کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ اس عالی شان عمارت میں کہیں بھی انسانی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ دو ورقہ جنگ

باقی صفحہ ۲۹ پر

پردہ چاک

## دادا انٹرپرائز کوٹری

الفتح رپورٹ



PHONE NO. 22491
GRAM : [illegible]

GOVERNMENT OF SIND
REGIONAL DIRECTORATE OF LABOUR
HYDERABAD REGION HYDERABAD.

NO: 6761
Dated, Hyderabad, the 3.9.1973.

To
The General Secretary,
Dada Interprises Workers Union,
Trade Union Office, Kotri.

Subject:- ENHANCEMENT OF RS.35/-

Reference:- Your application dated 20.8.73, on the subject noted above.

It is to inform you that this office has not received any order from the Government regarding enhancement of Rs.35/- and pending the receipt of such orders it is not possible for this office to enlighten the points raised by you.

( M. A. Talpur ) 3-9-73
Joint Director Labour,
Hyderabad Region, Hyderabad.

محکمہ محنت حیدرآباد کے خط کا عکس

# ملز مالکان نے تنخواہوں میں ۳۵ روپے کا اضافہ کرنے سے انکار کردیا

## جوائنٹ لیبر ڈائرکٹر کو ابھی تک حکومت کے احکامات وصول نہیں ہوئے

**ملز** مالکان نے ۳۵ روپے اضافہ کے سرکاری اعلان کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

"عوامی حکومت" نے مہنگائی کے پیشِ نظر ملازمین اور مزدوروں کی تنخواہوں میں ۳۵ روپے اضافے کا اعلان کیا تھا۔ اس اعلان کی کیا حیثیت ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دادا انٹرپرائز کوٹری کی انتظامیہ نے اس کی شدومد سے مخالفت ہی نہیں کی، بلکہ ۳۵ روپے دینے سے صاف انکار کردیا۔

دادا انٹرپرائز ورکرز یونین کے صدر مسٹر احسان عظیم نے جب اس سلسلے میں انتظامیہ کے نمائندوں سے ملاقات کی تو انہیں جواب دیا گیا کہ "یہ اعلان سیاسی تھا۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ جاؤ جا کر حکومت سے ۳۵ روپے مانگو، اور وزیر خزانہ سے کہو کہ پہلے وہ خود اعلان پر عمل کریں۔"

یونین نے ۲۰ اگست ۱۹۷۳ء کو جوائنٹ ڈائرکٹر لیبر حیدرآباد کو ایک مکتوب کے ذریعہ اس واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے اپیل کی کہ ملازمین کو ۳۵ روپے دلوانے کا بندوبست کیا جائے۔ یونین اور ملازمین کو اس وقت سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب جوائنٹ ڈائرکٹر حیدرآباد نے اپنے مکتوب ۶۷۶۱، مورخہ ۳ ستمبر ۷۳ء، کے ذریعہ یہ جواب دیا کہ "اس سلسلے میں حکومت کا کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ اس لئے وہ کچھ نہیں کرسکتے۔"

اگر مزدور اپنے اس حق کے لئے جدوجہد کریں، تو انہیں پولیس سے لاٹھیاں اور گولیاں کھانی پڑتی ہیں۔ جیلوں میں ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جاتے ہیں، بیروزگاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غرضیکہ ان پر ہر طرف سے ستم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ انہیں "کمیونسٹ"، "ملک دشمن" اور "شرپسند" کا نام دیا جاتا ہے۔ کیا حکومت اور مالکان نے کبھی اپنے طرزِ عمل پر غور کیا ہے کہ اس میں قصور کن کا ہے۔ اور اس تمام تر صورتِ حال کی ذمہ داری کس فریق پر عائد ہوتی ہے۔؟

آیئے اس مسئلے پر تھوڑی سی بحث کریں۔ دو سالوں کے دوران ہر چیز پر بے تحاشہ قیمتیں بڑھائی گئی ہیں۔ منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی کا رجحان بے قابو ہو گیا۔ سمگلنگ کا کاروبار نقطہ عروج پر پہنچ گیا۔ اناج کی بڑی مقدار با اثر سیاسی شخصیتوں کے اشارے پر پڑوسی ممالک میں سمگل کی جا رہی ہے۔ لیکن سرکاری مشینری ان غیر قانونی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنے میں بری طرح ناکام ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشیائے خوردنی کی قیمتوں میں تباہ کن اضافہ کردیا گیا۔ رہی سہی کسر سیلاب نے پوری کردی۔ اقتصادی ابتری سے محدود آمدنی، بالخصوص مزدور طبقہ بری طرح پریشان تھا۔ چنانچہ حکومت نے اشک سوئی کے لئے، سو روپے تنخواہ پانے والے ملازمین کی تنخواہوں میں یکم اگست سے ۳۵ روپے کے اضافے کا اعلان کیا۔ یہ اضافہ بڑھی ہوئی قیمتوں کے مقابلے میں بہت کم تھا لیکن سیلاب کی عظیم تباہ کاریوں کے پیشِ نظر ملازمین اور مزدور طبقہ نے اس اعلان کو قبول کرلیا۔ محنت کشوں کی جانب سے اس حقیر اضافہ

کی قبولیت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ ملک وقوم کے وسیع تر مفادات پر اپنے ذاتی فائدے قربان کرنے میں ذرا برابر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔

لیکن اس سرکاری اعلان کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ تھا کہ مزما لکان نے اسے تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہ حقیقت معلوم کرنے کے لئے سروے کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ بیشتر فیکٹریوں اور کارخانوں میں اس اعلان کا اطلاق نہیں کیا گیا۔ بعض مالکان نے کھلم کھلا اس سرکاری اعلان کو چیلنج کرتے ہوئے کہہ دیا کہ "ہم تسلیم نہیں کرتے۔ جاؤ جا کر حکومت سے مانگو۔ ایک پیسہ نہیں دیں گے"، آخران مالکان میں اتنی جرأت کیسے پیدا ہو گئی کہ وہ حکومت کو چیلنج کر دیں۔ اور طرہ یہ کہ اس پر کوئی کارروائی نہ کی جائے، بلکہ حکومت خاموش تماشائی بن جائے۔ اس کے برعکس محنت کشوں کو معمولی معمولی بات پر ڈی پی آر اور دوسرے کالے قوانین کے تحت گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔

تاجر اور صنعت کار ملازمین کو قانونی مراعات اور حقوق دینے میں ٹال مٹول کا رویہ اختیار کرتے ہیں کہ لیکن اگر دوسری جانب سے اشیائے خوردنی اور دیگر مصنوعات پر معمولی اضافے کا اعلان کیا جاتا ہے وہ اس پر فوراً عمل کرتے ہیں۔ بلکہ اس اضافے میں اپنا اضافہ بھی شامل کر کے عوام کی کھال اتارنی شروع کر دیتے ہیں۔ اس وقت وہ تھوڑی سی بھی ہچکچاہٹ یا توقف کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

حکومت کے ایسے تمام اعلانات جن سے مزدور اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو کچھ فائدہ پہنچنے کا امکان تھا۔ ان پر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے بہت کم عمل کیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان اعلانات کو جان بوجھ کر قانونی تحفظ نہ دیا گیا۔ اس کے پیچھے محض سیاسی فائدہ اٹھانے کا جذبہ کارفرما تھا۔ سرکاری نشرواشاعت اور ابلاغِ عامہ کے ذریعہ ان اعلانات کو خوب پبلسٹی دی گئی، اندرونِ ملک و بیرونِ ملک یہ تاثر دیا جاتا رہا کہ حکومت عام آدمی کی کس قدر بہی خواہ ہے، اور ان کا معیارِ زندگی بلند کرنے میں کتنی دلچسپی لے رہی ہے۔ لیکن عملی طور پر ان اعلانات کو کسی قسم کا قانونی تحفظ نہ دے کر تاجروں اور صنعت کاروں کو اس بات کی کھلی چھوٹ دی گئی کہ وہ ان پر عمل کرنے سے صاف انکار کر دیں۔

موجودہ حکومت نے اپنے عمل سے ایک تیر سے دو شکار کھیلے۔ ایک طرف وہ ان اعلانات سے سیاسی فائدہ اٹھاتی رہی، دوسری طرف سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو خوش کر کے محنت کشوں کو معاشی طور پر کچلنے کی پالیسی پر گامزن رہی۔ جیسا کہ ماضی میں حکومتوں کا وطیرہ رہا ہے۔

اس سرکاری اعلان کا ایک اور تباہ کن اثر ہوا ہے۔ تاجروں نے فوراً چیزوں پر قیمتیں بڑھا دیں۔ یہ صورتِ حال کتنی افسوس ناک ہے کہ صرف سرکاری اعلان سن کر قیمتیں بڑھا دی گئیں جبکہ درحقیقت اس اعلان کے مطابق تنخواہوں میں ۳۵ روپے کا اضافہ نہیں کیا گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب مزدور کیا کریں۔ اگر وہ اپنے حقوق طلب کرتے ہیں تو انہیں انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جائے گا، اگر وہ خاموش رہیں تو مہنگائی انہیں ہڑپ کرنے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔ آخر مزدور کیا کریں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر حکومت کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔ اگر وہ واقعی کم تنخواہ پانے والے ملازمین کے مسائل سے تھوڑی بہت بھی دلچسپی رکھتی ہے تو اسے اس قسم کے اعلانات کو پہلے قانونی تحفظ دینا چاہیئے۔ اس کے بعد ان مالکان پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے جو سرکاری اعلانات کو ردّی کا غذ سمجھتے ہیں۔

# مرے کھیتوں سے مرے آنگن تک

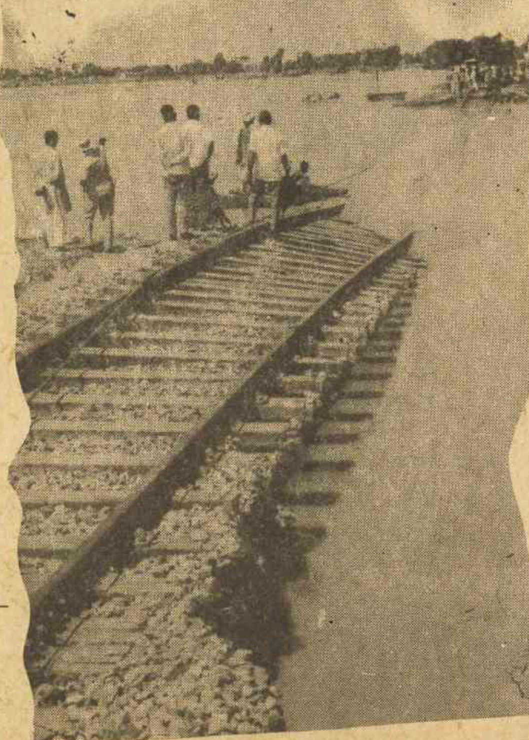
مختار کریمی

ایک دریا مرے کھیتوں سے مرے آنگن تک
ایک دریا مری آنکھوں سے مرے دامن تک
دونوں دریائے رواں ایک ہوئے جاتے ہیں
اور اب ان کی روانی میں بہے جاتے ہیں
میرے آنگن کا اجالا مرے کھیتوں کا شباب
میری بچی کا گھروندا مرے بیٹے کی کتاب
میری آشناؤں کی کٹیا مرے خوابوں کے محل
میری محنت کی درانتی مری تدبیر کا حل
میری سوہنی وسسی کے لب و رخسار کا رنگ
آج ہر شے اسی دریا میں بہی جاتی ہے

یہی دریا کہ جو امرت کا سمندر بھی ہے!
آج یوں بہتا ہے جیسے کہ ابلتا لاوا
اپنے دامن میں چھپائے ہوئے آفات کی فوج
بھوک کے ناگ تباہی کے بھنور درد کی موج

اور میں عزم کی چوٹی پہ کھڑا سوچتا ہوں
بھوک اور درد کی موجوں میں گھرا سوچتا ہوں
کیسے کوئی سیلاب ہمالہ کو ڈبو سکتا ہے؟
کتنے سیلاب اُمڈتے ہیں گزر جاتے ہیں
کتنے دریا ہیں کہ چڑھتے ہیں اتر جاتے ہیں
اس ہمالہ کی ترائی میں ہمیشہ کی طرح
کل یہ دریا وہی امرت کا سمندر ہو گا!
ہر طرف پھر وہی گلزار کا منظر ہو گا

میرے کھیتوں سے مرے آنگن تک
میری آنکھوں سے مرے دامن تک



# اجمل خٹک کا انٹرویو

ندیم • نمائندہ خصوصی
الفتح - مقیم کابل

پاکستانی عوام اجمل خٹک کے بارے میں اکثر سوالات کرتے ہیں، ذیل میں ان کا ایک انٹرویو نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے ۔اس انٹرویو سے ان کے منصوبوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے (ادارہ)

## بنگلہ دیش کے قونصلر، ان کے لنگوٹیا یار ہیں

شالی کابل میں ایک علاقہ ہے، کارتہ ہم، یہاں کے ایک خوشنما بنگلے میں نیشنل عوامی پارٹی کے مفرور سیکرٹری جنرل جناب اجمل خٹک رہائش پذیر ہیں۔ بہت دنوں کی تگ و دو کے بعد بالآخر ان سے ایک روز ملاقات ہو گئی، اس سے قبل یوم پختونستان کے موقع پر کابل کے بیچوں بیچ پختونستان چوک کے قریب ان سے ملاقات ہوتی تھی۔ اس روز وہ جشنِ پختونستان کی ایک تقریب میں شرکت کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے ملاقات کے لئے وقت لینا چاہا، پہلے تو وہ ٹال مٹول سے کام لیتے رہے، ان کا کہنا تھا کہ وہ کسی پاکستانی اخبار نویس سے نہیں ملنا چاہتے۔

میں نے جب بہت اصرار کیا تو انہوں نے مجھے اپنے گھر کا پتہ بتاتے ہوئے کہا کہ میں اپنے ہمراہ اور کسی کو نہ لاؤں، یہاں تک کہ وہ میرے ہمراہ کسی فوٹوگرافر کو بھی دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔

۴ ستمبر کو شام ساڑھے چار بجے میں مقررہ وقت پر ان کے گھر پہنچا، ان کے گھر میں داخلے سے پہلے مجھے کئی مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ افغان پولیس کے دو سپاہیوں نے میری جامہ تلاشی لینے کے بعد مجھے ایک سجے سجائے کمرے میں لا بٹھایا۔ کمرے میں خان غفار خان، سردار داؤد اور دوسرے



افغان لیڈروں کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں، ...
منٹ کے انتظار کے بعد اجمل خٹک صاحب کھدر کی شلوار
قمیض میں ملبوس کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ مجھ سے بڑے
تپاک سے ملے۔ اِدھر اُدھر کی رسمی گفتگو کے بعد کہنے لگے "...
کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔؟"

میں نے کہا۔ "صاحب! پوچھنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ کے پاس کافی وقت موجود ہو۔" یہ سن کر وہ ہنس دیئے۔ کہنے لگے "فکر مت کیجئے، میں یہاں ہمیشہ فرصت میں رہتا ہوں۔" اس پر میرا ... سے پہلا سوال تھا۔

"آپ نے پاکستان کیوں چھوڑا۔؟"

کچھ سوچنے کے بعد انہوں نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"فی الوقت پاکستان کی آب و ہوا مجھے راس نہیں آ...

"لیکن آپ کی پارٹی کے دوسرے افراد تو پاکستان ... موجود ہیں۔ کیا انہیں پاکستان کی آب و ہوا راس آ گئی ہے

"جی ہاں وہ اس محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور میں نے یہاں محاذ کھولا ہوا ہے۔!"

"یہ محاذ آپ نے کس کے خلاف کھولا ہوا ہے۔؟"

"آمریت کے خلاف! جمہوریت کی بقا کے لئے ...

"اس کے لئے آپ کو کسی جمہوری ملک کا انتخاب کرنا چاہیئے تھا۔ کیا آپ کے خیال میں افغانستان میں پاکستان سے زیادہ جمہوریت موجود ہے۔؟"

"افغانستان جمہوریت کے ابتدائی دور میں ہے اور ویسے بھی آزاد پختونستان کے لئے ہمیں جہاں سے بھی امداد ملنے کی توقع ہو گی ہم اس ملک کو اپنے بہت قریب محسوس کریں گے۔!"

"آزاد پختونستان سے آپ کی کیا مراد ہے۔؟"

"دیکھیئے اب میں کوئی بات لگی لپٹی نہیں رکھنا چاہتا۔ آزاد پختونستان کا تصوّر بنگلہ دیش کے تصوّر سے بہت قریب ہے۔ جو لوگ ایک پاکستان میں رہ کر آزاد پختونستان کی باتیں کرتے ہیں وہ نہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ بلکہ پختون عوام کو بھی دھوکے میں رکھ رہے ہیں۔

## "پاکستان سے میرا کوئی تعلق نہیں پختون عوام کی بات کیجئے"

# اکبر بگٹی کو سرحد بلوچستان اور افغانستان کی مجوزہ کنفیڈریشن کی وزارتِ عظمیٰ کی پیش کش؟

نیشنل عوامی پارٹی نے صوبہ سرحد، بلوچستان اور افغانستان پر مشتمل ایک کنفیڈریشن بنانے کا منصوبہ بنایا تھا، اور بلوچستان کے اکبر بگٹی کو لندن میں جنرل جیلانی کی وساطت سے مجوزہ کنفیڈریشن کی وزارتِ عظمیٰ کی پیش کش کی تھی۔ اس نئی کنفیڈریشن میں ایرانی بلوچستان بھی شامل کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ یہ انکشاف پاکستانی سفیر مقیم دارالسلام مسٹر بشیر احمد نے اپنے ایک جوابی مراسلے میں کیا، جو ۱۲ اگست ۱۹۷۳ء کو "سنڈے نیوز دارالسلام" میں شائع ہوا۔

نواب اکبر بگٹی نے اس پیش کش کا کیا جواب دیا، مسٹر بشیر احمد کا مضمون اس بارے میں بالکل خاموش ہے البتہ پاکستان کے عوام جانتے ہیں کہ اکبر بگٹی نے لندن میں قیام کے دوران ہفت روزہ "اخبارِ وطن" لندن کے پرویز بشیر اور "نوائے وقت" لاہور کے بشیر ریاض کو جو انٹرویوز دیتے تھے اور ان میں جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا، پاکستانی عوام اور حکومت نے ان کا فوری نوٹس لیا تھا۔ سرکاری اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے اکبر بگٹی پر ملک دشمنی کا الزام لگایا تھا۔ وزارتِ اطلاعات نے انہیں "لندن پلان کا خالق"، "عظیم تر بلوچستان کا حامی"، "غیر ملکی ایجنٹ" اور "مجیب کا دستِ راست" قرار دیا تھا، لیکن نہ جانے کن وجوہات کی بناء پر نہ صرف یہ کہ پروپیگنڈہ مہم روک دی گئی بلکہ اکبر بگٹی کو بلوچستان کا گورنر بنا دیا گیا۔ حکومتِ پاکستان نے اور نہ ہی اکبر بگٹی نے ان الزامات کی صفائی یا وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

بلوچستان کا گورنر بننے کے بعد نواب اکبر بگٹی نے ۶ جون ۷۳ء کو اخباری اطلاعات کے مطابق صحافیوں کی ایک جماعت سے گفتگو کرتے ہوئے پاکستان، بھارت، افغانستان، ایران، بنگلہ دیش، برما، سری لنکا اور نیپال



کے درمیان ایک ڈھیلی ڈھالی کنفیڈریشن کی تجویز پیش کی، جو مساویانہ بنیادوں پر ایک دوسرے کی آزادی، خودمختاری کے احترام پر مبنی ہو۔ نواب اکبر بگٹی کے اس بیان پر شدید ردِ عمل ہوا۔ حزبِ اختلاف نے اس بیان کو زیرِ بحث لانے کے لئے ۸ جون کو قومی اسمبلی میں تحریکِ التوا پیش کی۔ اس کے جواب میں مرکزی وزیرِ قانون و پارلیمانی امور مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے حقائق معلوم کرنے کے لئے وقت مانگا۔ اسی اثناء میں گورنر بلوچستان کے معاونِ خصوصی صوبیدار معینوی نے اکبر بگٹی کے بیان کی تردید کر دی اور کہا کہ گورنر بلوچستان نے ایسی کوئی تجویز پیش نہیں کی۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اکبر بگٹی نے بذاتِ خود اپنے بیان کی تردید کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اب پاکستان کے ایک سفیر نے صوبہ سرحد، بلوچستان اور افغانستان پر مشتمل مجوزہ کنفیڈریشن کا انکشاف کیا ہے۔ یہ انکشاف حکومتِ پاکستان کے ایک ذمہ دار رکن نے کیا ہے۔ لہٰذا حکومتِ پاکستان اور گورنر بلوچستان اکبر بگٹی کا فرض ہے کہ وہ تمام حقائق سے عوام کو آگاہ کرے۔ جمہوریت میں حقائق کا جاننا عوام کا بنیادی حق ہے۔ اس لئے عوام کو توقع ہے کہ اکبر بگٹی بتائیں گے کہ وہ لندن میں اتنے عرصے کیا کرتے رہے۔ بنگلہ دیش کے زبردست حامی اور برطانوی پارلیمان کے رکن جان اسٹون ہاؤس سے کیوں ملاقات کی اور اس ملاقات کے دوران کیا گفتگو ہوئی۔

---

صدیاں ہو گئیں ہماری اس جدوجہد کو۔ اب ہماری آزادی کے دن قریب ہیں۔"

"آپ کو آزادی کون دلائے گا؟ میرے خیال میں پختون عوام کو اس مسئلے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مثال کے طور پر آپ کی پارٹی نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی لیکن پختون عوام نے اس میں بالکل حصّہ نہیں لیا۔"

"آپ پختون عوام کو نہیں جانتے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں پختونستان اس سال آزاد ہو جائے گا۔"

"لیکن کیسے۔؟"

"یہ سوال بنگلہ دیش کے بارے میں بھی کیا جاتا تھا۔ وہ کیسے آزاد ہو گیا۔"

اس سازش میں تو بڑی طاقتیں شامل تھیں، کیا آپ کو بھی امید ہے کہ کوئی بڑی طاقت آپ کی پشت پناہی کرے گی۔؟"

"دیکھتے جائیے۔!"

"آپ کے بارے میں سنا گیا ہے کہ آپ روس اور بنگلہ دیش کا دورہ کر چکے ہیں۔ اس بات میں کہاں تک صداقت ہے۔؟"

"جی نہیں میں نے ابھی تک ان میں سے کسی ملک کا دورہ نہیں کیا، لیکن اگر ضرورت پڑی تو ضرور کروں گا۔!"

"وزیرِاعظم بھٹو کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"اس صدی کا سب سے بڑا آمر۔ پاکستان اور وزیرِاعظم بھٹو ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ یا تو پاکستان رہے گا یا بھٹو۔"

"کیا آپ کا خیال میں سابق صدر ایوب اور صدر یحییٰ

## آزاد پختونستان کا تصور بنگلہ دیش کے نظریے سے ملتا جلتا ہے

# اجمل خٹک کے گھر پر دو افغان سپاہیوں نے میری جامہ تلاشی لی

آمر نہیں تھے۔؟ اگر تھے تو آپ لوگوں نے ان کے خلاف جدوجہد کیوں نہیں کی۔؟"

"اس وقت حالات سازگار نہیں تھے۔"

"آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں جمہوریت آنے کے بعد آپ کے لئے اب حالات سازگار ہوگئے ہیں؟"

"کون سی جمہوریت۔؟ کیسی جمہوریت؟؟ کہاں ہے جمہوریت؟؟؟ ہمارے لیڈروں کی اکثریت جیلوں میں ہے۔ اخبارات پر پابندی عائد ہے، مزدوروں اور کسانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہے، کیا آپ اس کو جمہوریت کہتے ہیں۔؟"

"جیسا کہ اس سے قبل آپ نے عرض کیا کہ آزاد پختونستان اور بنگلہ دیش کے تصور میں کوئی فرق نہیں۔ اگر ملک کا وزیراعظم اپنے ملک کی حفاظت کے لئے کوئی اقدام کرے تو وہ آمر کیسے ہو سکتا ہے۔؟"

صحیح پوچھیئے تو ہمیں آزاد پختونستان کی راہ بھٹو نے دکھائی ہے۔ بھٹو صاحب نے ایران کے کہنے میں آکر بلوچستان میں ہماری جمہوری حکومت کا گلا گھونٹا۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، انشاءاللہ آزادی کا سورج بلوچستان ہی سے طلوع ہوگا۔"

"آپ کا پاکستان جانے کا ارادہ ہے یا نہیں۔؟"

"بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ میں خود کو پاکستانی کہلاتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہوں۔ میں اس وقت تک پاکستان نہیں جاؤں گا، جب تک کہ پختونستان آزاد نہیں ہو جاتا۔ اور یہ کہ بھٹو اور اس کی حکومت کا تختہ نہیں الٹ جاتا۔"

"میں نے آپ کو کئی بار بنگلہ دیش کے کونسلر کے ہمراہ دیکھا ہے، اس کی کیا وجہ ہے۔؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ وہ میرے دوست ہیں، وہ آزاد ملک کے باشندے ہیں۔ میں انہیں دیکھ کر حسد کی آگ میں جلتا ہوں۔ اتنے کم عرصے میں وہ آزاد ہو گئے اور ایک ہم ہیں کہ ہماری تاریکی کی رات ختم ہی نہیں ہوتی۔"

"کیا آپ کو بھٹو صاحب کی منتخب جمہوری حکومت پر کوئی اعتراض ہے۔؟ کیا انہیں عوام کی بھاری اکثریت نے منتخب نہیں کیا تھا۔؟"

"انہیں پنجاب اور سندھ کے رجعت پسند عوام کی حمایت حاصل ہے۔"

"مگر ان کا انتخابی نعرہ تو بڑا ترقی پسند تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں رجعت پسند عوام کی حمایت حاصل ہوگئی۔؟"

"کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پنجاب کے عوام ذہنی طور پر رجعت پسند ہیں۔!"

"میں اب بھی آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"دیکھیئے بات دراصل یہ ہے کہ پنجاب کے عوام نے ہمیشہ غلط آدمیوں کا ساتھ دیا ہے، میں تو یہاں تک کہوں گا کہ پاکستان کی تخلیق میں بھی انہوں نے غلط آدمیوں کا ساتھ دیا۔"

پاکستان کی تحریک میں تو صوبہ سرحد کے عوام نے بھی شرکت کی تھی۔ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔؟"

صوبۂ سرحد کے عوام کو سبز باغ دکھائے گئے تھے لیکن اب انہیں احساس ہوگیا ہے کہ پنجابی سامراج انہیں لوٹ کھسوٹ رہا ہے۔"

"آپ کے کابل آنے کے بعد آپ کی پارٹی کے سربراہ نے کہا تھا کہ آپ راولپنڈی کے جلسے کی فائرنگ میں شاید ہلاک ہوگئے ہیں اور آپ کی لاش کو حکومت نے چھپا دیا ہے انہوں نے ایسا کیوں کہا تھا۔؟"

**افغانستان ہماری مدد کر رہا ہے اور طاقتیں بھی مدد کے لئے تیار ہیں**

"ان کی مرضی!"

"تو آپ کو پورا یقین ہے کہ آزاد پختونستان جلد بنے گا۔؟"

"انشاءاللہ ــــــ ویسے ہی اطلاعاً عرض کر دوں کہ آزاد پختونستان کا خواب بنگلہ دیش کے قیام کے فوراً بعد پورا ہونا تھا لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، اس وقت حالات نے دوسرا رخ اختیار کر لیا۔ اب حالات ہمارے کنٹرول میں ہیں۔"

"آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت کے بادشاہ ظاہر شاہ نے آپ لوگوں کی کس قسم کی مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔؟"

"جو آپ سمجھ لیں۔"

"افغانستان ایشیاء کا سب سے زیادہ پس ماندہ ملک ہے، آپ کے خیال میں آزاد پختونستان کو افغانستان کیا مدد دے سکتا ہے، کیا پختون عوام افغانستان کی دوستی کو قبول کر لیں گے۔؟"

ہم افغانستان کے ساتھ شامل نہیں ہونا چاہتے۔ افغانستان تو صرف ہماری جدوجہد میں مدد کر رہا ہے، اسی طرح کئی اور طاقتیں بھی ہماری مدد کے لئے تیار ہیں۔"

"لیکن آپ کی پارٹی کے لیڈر تو پاکستان میں یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہم ایک پاکستان کی حدود میں رہ کر آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں یا وہ؟"

"بنگلہ دیش والے بھی ایک پاکستان کی حدود میں رہ کر آزادی حاصل کرنے کی باتیں کرتے تھے۔"

"سنا ہے آپ افغانستان میں آزاد پختونستان کی جلاوطن حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔؟"

"ہماری یہ حکومت موجود ہے، لیکن اس بارے میں وقت آنے پر تفصیلات بتاؤں گا۔"

"اہلِ پاکستان کے نام آپ کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں؟"

"پاکستان سے میرا کوئی تعلق نہیں، پختون عوام کی بات کیجئے۔ پختونوں کو میرا پیغام پہنچا دیجئے کہ عنقریب ان کی آزادی کا سورج طلوع ہونے والا ہے، وہ اب اٹھ کھڑے ہوں، ہتھیار سنبھالنے کا وقت آگیا ہے۔"



# مَیں ایک میاں ہُوں

پطرس بخاری

مَیں ایک میاں ہوں۔ مطیع و فرمانبردار، اپنی بیوی روشن آرا کو اپنی زندگی کی ہر بات سے آگاہ رکھنا اصولِ زندگی سمجھتا ہوں۔ اور ہمیشہ سے اس پر کاربند رہا ہوں، خدا میرا انجام بخیر کرے۔

چنانچہ میری اہلیہ میرے دوستوں کی تمام عادات و خصائل سے واقف ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میرے دوست جتنے مجھ کو عزیز ہیں اتنے ہی روشن آرا کو بُرے لگتے ہیں، میرے احباب کی جن اداؤں نے مجھے مسحور کر رکھا ہے انہیں میری اہلیہ ایک شریف انسان کے لئے باعث ذلّت سمجھتی ہے۔

آپ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ خدانخواستہ وہ کوئی ایسے آدمی ہیں جن کا ذکر کسی معزز مجمع میں نہ کیا جا سکے، کچھ اپنے ہُنر کے طفیل اور کچھ خاکسار کی صحبت کی بدولت سب کے سب ہی سفید پوش ہیں۔ لیکن اس بات کو کیا کروں کہ ان کی دوستی میرے گھر کے امن میں اس قدر خلل انداز ہوتی ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔

مثلاً مرزا صاحب ہی کو لیجئے، اچھے خاصے بھلے آدمی ہیں۔ گو محکمہ جنگلات میں ایک معقول عہدے پر ممتاز ہیں، لیکن شکل و صورت ایسی پاکیزہ پائی ہے کہ امام مسجد معلوم ہوتے ہیں۔ جوا وہ نہیں کھیلتے، گلّی ڈنڈے کا ان کو شوق نہیں ہے۔ جیب کترتے ہوئے کبھی وہ نہیں پکڑے گئے۔ البتّہ کبوتر پال رکھے ہیں۔ انہی سے جی بہلاتے ہیں۔ ہماری اہلیہ کی یہ کیفیت ہے کہ محلّے کا کوئی بدمعاش جوئے میں قید ہو جائے تو اس کی ماں کے پاس ماتم پُرسی تک کو چلی جاتی ہیں۔ گلّی ڈنڈے میں کسی کی آنکھ پھوٹ جائے تو مرہم پٹی کرتی رہتی ہیں۔ کوئی جیب کترا پکڑا جائے تو گھنٹوں آنسو بہاتی رہتی ہیں۔ لیکن وہ بزرگ جن کو دنیا بھر کی زبان "مرزا صاحب مرزا صاحب" کہتے تھکتی ہے، ہمارے گھر میں "موئے کبوتر باز" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں، کبھی بھولے سے بھی میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کسی چیل، کوّے، گدھ، شکرے کو دیکھنے لگ جاؤں تو روشن آرا کو فوراً خیال ہو جاتا ہے کہ بس اب یہ بھی کبوتر باز بننے لگا۔

اس کے بعد مرزا صاحب کی شان میں ایک قصیدہ شروع ہو جاتا ہے۔ بیچ میں میری جانب گریز، کبھی لمبی بحر میں، کبھی چھوٹی بحر میں۔

ایک دن جب یہ واقعہ پیش آیا تو میں نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ اس مرزا کم بخت کو کبھی پاس نہ پھٹکنے دوں گا۔ آخر گھر سب سے مقدّم ہے، میاں بیوی کے باہمی اخلاص کے مقابلے میں دوستوں کی خوشنودی کیا چیز ہے۔ چنانچہ ہم غصّے میں بھرے ہوئے مرزا صاحب کے گھر گئے، دروازہ کھٹکھٹایا۔ کہنے لگے اندر آ جاؤ۔ ہم نے کہا نہیں آتے، تم باہر آؤ، خیر آخر اندر گیا، بدن پر تیل مل کر ایک کبوتر کی چونچ منہ میں لئے دھوپ میں بیٹھے تھے۔ کہنے لگے بیٹھ جاؤ، ہم نے کہا بیٹھیں گے نہیں۔ آخر بیٹھ گئے، معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے تیور کچھ بگڑے ہوئے تھے، مرزا صاحب بولے کیوں بھئی خیر باشد! میں نے کہا کچھ نہیں، کہنے لگے اس وقت کیسے آنا ہوا۔؟

اب میرے دل میں فقرے کھولنے شروع ہوئے۔ پہلے ارادہ کیا کہ ایک دم ہی سب کچھ کہہ ڈالوں اور چل دوں، پھر سوچا کہ مذاق سمجھے گا اس لئے کسی ڈھنگ سے بات شروع کروں، لیکن سمجھ میں نہ آیا کہ پہلے کیا کہیں، آخر ہم نے کہا۔

"مرزا بھئی! کبوتر بہت مہنگے ہوتے ہیں۔؟"

یہ سنتے ہی مرزا صاحب نے چین سے لے کر امریکہ تک کے تمام کبوتروں کو ایک ایک کر کے گنوانا شروع کیا۔ اس کے بعد دانے کی مہنگائی کے متعلق گل افشانی کرتے رہے اور پھر محض

**مرزا صاحب ہمارے گھر میں موئے کبوتر باز کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں**

# جیب کترے کی گرفتاری پر ہماری اہلیہ گھنٹوں آنسو بہاتی ہیں

مہنگائی پر تقریر کرنے لگے۔ اس دن تو ہم یونہی چلے آئے۔ لیکن ابھی کھٹ پٹ کا ارادہ دل میں باقی تھا۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ شام کو گھر میں ہماری صلح ہو گئی۔ ہم نے کہا چلو اب مرزا کے ساتھ بگاڑنے سے کیا حاصل؟ چنانچہ دوسرے دن مرزا سے بھی صلح صفائی ہو گئی۔

لیکن میری زندگی تلخ کرنے کے لئے ایک نہ ایک دوست ہمیشہ کارآمد ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فطرت نے میری طبیعت میں قبولیّت اور صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے کیونکہ ہماری اہلیہ کو ہم میں ہر وقت کسی نہ کسی دوست کی عادات قبیحہ کی جھلک نظر آتی رہتی ہے، یہاں تک کہ میری اپنی ذاتی شخصی سیرت بالکل ہی ناپید ہو چکی ہے۔

شادی سے پہلے ہم کبھی کبھی دس بجے اٹھا کرتے تھے۔ ورنہ گیارہ بجے۔ اب کتنے بجے اٹھتے ہیں؟ اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جن کے گھر ناشتہ زبردستی صبح کے سات بجے کرا دیا جاتا ہے، اور اگر ہم کبھی بشری کمزوری کے تقاضے سے مرغوں کی طرح تڑکے اٹھنے میں کوتاہی کریں تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ اس لکھنؤ نسیم کی صحبت کا نتیجہ ہے۔ ایک دن صبح صبح ہم نہا رہے تھے، سردی کا موسم، ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ صابن سر پہ ملتے تھے تو ناک میں گھستا تھا کہ اتنے میں ہم نے خدا جانے کس پُراسرار جذبے کے ماتحت غسل خانے میں الاپنا شروع کیا اور پھر گانے لگے کہ "توری چھل بل ہے نیاری..." اس کو ہماری انتہائی بدمذاقی سمجھا گیا۔ اور اس بدمذاقی کا اصل منبع ہمارے دوست پنڈت جی کو ٹھہرایا گیا۔ لیکن حال ہی میں مجھ پر ایک ایسا سانحہ گذرا ہے کہ میں نے تمام دوستوں کو ترک کر دینے کی قسم کھالی ہے۔

تین چار دن کا ذکر ہے کہ صبح کے وقت روشن آرا نے مجھ سے میکے جانے کے لئے اجازت مانگی۔ جب سے ہماری شادی ہوئی ہے روشن آرا صرف دو دفعہ میکے گئی ہے۔ اور پھر اس نے کچھ اس سادگی اور عجز سے کہا کہ میں انکار نہ کر سکا۔ کہنے لگی تو پھر میں ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے چلی جاؤں؟ میں نے کہا اور کیا!

وہ جھٹ تیاری میں مشغول ہو گئی اور میرے دماغ میں آزادی کے خیالات نے چکر لگانے شروع کئے، یعنی اب بے تسک دوست آئیں، بے تسک اودھم مچائیں، میں بے تسک کھاؤں، بے تسک جب چاہوں اٹھوں، بے تسک تھیٹر جاؤں، میں نے کہا۔

"روشن آرا جلدی کرو، نہیں گاڑی چھوٹ جائے گی۔"

ساتھ اسٹیشن پر گیا، جب گاڑی میں سوار کرا چکا تو کہنے لگی "خط ضرور لکھتے رہئے۔"

میں نے کہا "ہر روز اور تم بھی۔"

"کھانا وقت پر کھا لیا کیجئے اور وہاں دھلی ہوئی جرابیں اور رومال الماری کے نچلے خانے میں پڑے ہیں۔"

اس کے بعد ہم دونوں خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھتے رہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، میرا دل بھی بے تاب ہونے لگا اور جب گاڑی روانہ ہوئی تو میں دیر تک مبہوت پلیٹ فارم پر کھڑا رہا۔

آخر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کتابوں کی دکان تک آیا۔ اور رسالوں کے ورق پلٹ پلٹ کر تصویریں دیکھتا رہا۔ ایک

> اس بدمذاقی کا اصل منبع ہمارے دوست پنڈت جی کو ٹھہرایا گیا!

اخبار خریدا، تہ کر کے جیب میں ڈالا اور عادت کے مطابق گھر کا ارادہ کر لیا۔

پھر خیال آیا کہ اب گھر جانا ضروری نہیں رہا۔ اب جہاں چاہوں جاؤں، چاہوں تو گھنٹوں اسٹیشن پر ہی ٹہلتا رہوں۔ دل چاہتا تھا قلابازیاں کھاؤں۔

کہتے ہیں جب وحشیوں کو کسی تہذیب یافتہ ملک میں کچھ عرصہ رکھا جاتا ہے تو گو وہ وہاں کی شان و شوکت سے بہت متاثر ہوتے ہیں، لیکن جب واپس جنگلوں میں پہنچتے ہیں تو خوشی کے مارے چیخیں مارتے ہیں، کچھ ایسی ہی کیفیت میرے دل کی بھی ہو رہی تھی۔ بھاگتا ہوا اسٹیشن سے آزادانہ باہر نکلا۔ آزادی کے لہجے میں تانگے والے کو بلایا اور کود کر تانگے میں سوار ہو گیا۔ سگریٹ سلگایا، ٹانگیں سیٹ پر پھیلا دیں۔ اور کلب کو روانہ ہو گیا۔

رستے میں ایک ضروری کام یاد آیا۔ تانگہ موڑ کر گھر کی طرف پلٹا، باہر ہی سے نوکر کو آواز دی۔

"امجد!"

"حضور!"

"دیکھو حجام کو جا کر کہہ دو کہ کل گیارہ بجے آئے۔"

"بہت اچھا۔"

"گیارہ بجے، سن لیا نا؟ کہیں روز کی طرح پھر چھ بجے وارد نہ ہو جائے۔"

"بہت اچھا حضور!"

"اور اگر گیارہ بجے سے پہلے آئے تو دھکے دے کر باہر نکال دوں۔"

یہاں سے کلب پہنچے، آج تک کبھی دن کے دو بجے کلب نہ گیا تھا۔ اندر داخل ہوا تو سنسان، آدمی کا نام نشان تک نہیں۔ سب کمرے دیکھ ڈالے، بلیرڈ کا کمرہ خالی، شطرنج کا کمرہ خالی، تاش کا کمرہ خالی، صرف کھانے کے کمرے میں ایک ملازم چھریاں تیز کر رہا تھا اس سے پوچھا۔

"کیوں بے آج کوئی نہیں آیا؟"

کہنے لگا: "حضور! آپ جانتے ہیں اس وقت بھلا کون آتا ہے۔؟"

بہت مایوس ہوا۔ باہر نکل کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں؟ اور کچھ نہ سوجھا تو وہاں سے مرزا صاحب کے گھر پہنچا۔ معلوم ہوا ابھی دفتر سے واپس نہیں آئے۔ دفتر پہنچا، دیکھ کر بہت حیران ہوئے، میں نے سب حال بیان کیا۔ کہنے لگے "تم باہر کے کمرے میں ٹھہرو۔ تھوڑا سا کام رہ گیا ہے بس ابھی بھگتا کے تمہارے ساتھ چلتا ہوں، شام کا پروگرام کیا ہے۔؟"

میں نے کہا "تھیٹر!"

کہنے لگے "بس بہت ٹھیک ہے، تم باہر بیٹھو میں ابھی آیا۔"

باہر کے کمرے میں ایک چھوٹی سی کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا اور جیب سے اخبار نکال کر پڑھنا شروع کر دیا۔ شروع سے آخر تک سب پڑھ ڈالا اور ابھی چار بجنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ پھر سے پڑھنا شروع کر دیا، سب اشتہارات پڑھ ڈالے اور پھر سب اشتہاروں کو دوبارہ پڑھ ڈالا۔

آخر کار اخبار پھینک کر بغیر کسی تکلف یا لحاظ کے جمائیاں لینے لگا۔ جمائی پر جمائی، جمائی پر جمائی حتیٰ کہ جبڑوں میں درد ہونے لگا۔

اس کے بعد ٹانگیں ہلانا شروع کیں لیکن اس سے بھی تھک گیا۔

پھر میز پر طبلے کی گتیں بجاتا رہا۔

بہت تنگ آ گیا تو دروازہ کھول کر مرزا سے کہا "ابے یار اب چلتا بھی ہے کہ مجھے انتظار ہی میں مار ڈالے گا مردود کہیں کا، سارا دن میرا ضائع کر دیا۔"

وہاں سے اٹھ کر مرزا کے گھر گئے، شام بڑے لطف میں کٹی، کھانا کلب میں کھایا اور وہاں سے دوستوں کو ساتھ لئے تھیٹر گئے، رات کے ڈھائی بجے گھر لوٹے، تکیئے پر سر رکھا ہی تھا کہ نیند نے بے ہوش کر دیا۔

صبح آنکھ کھلی تو کمرے میں دھوپ لہریں مار رہی تھی گھڑی کو دیکھا تو پونے گیارہ بجے تھے۔ ہاتھ بڑھا کر میز پر سے ایک سگریٹ اٹھایا اور سلگا کر طشتری میں رکھ دیا اور پھر اونگھنے لگا۔

**افریقہ کے وحشی**

**تہذیب یافتہ ملک کی**

**شان و شوکت سے متاثر**

**ہوتے ہیں لیکن واپس**

**جنگلوں میں پہنچتے ہی**

**چیخیں مارتے ہیں**

گیارہ بجے امجد کمرے میں داخل ہوا، کہنے لگا "حضور حجام آیا ہے۔"

ہم نے کہا۔ "یہیں بلا لاؤ۔" یہ عیش مدت کے بعد نصیب ہوا کہ بستر میں لیٹے لیٹے حجامت بنوالیں۔ اطمینان سے اٹھے اور نہا دھو کر باہر جانے کے لئے تیار ہوئے لیکن طبیعت میں وہ شگفتگی نہ تھی جس کی امید لگائے بیٹھے تھے چلتے وقت الماری سے رومال نکالا تو خدا جانے کیا خیال دل میں آیا۔ وہیں کرسی پر بیٹھ گیا اور سودائیوں کی طرح اس رومال کو تکتا رہا۔ الماری کا ایک دروازہ کھولا تو سرمئی رنگ کا ایک ریشمی دوپٹہ نظر آیا۔ باہر نکالا، ہلکی ہلکی عطر کی خوشبو آ رہی تھی۔ بہت دیر تک اس پر ہاتھ پھیرتا رہا، دل بھر آیا، گھر سونا معلوم ہونے لگا۔ بہتیرا اپنے آپ کو سنبھالا لیکن آنسو ٹپک ہی پڑے، آنسوؤں کا گرنا تھا کہ بے تاب ہو گیا اور سچ مچ رونے لگا، سب جوڑے باری باری نکال کر دیکھے لیکن نامعلوم کیا کیا یاد آیا کہ اور بھی بے قرار ہوتا گیا۔

آخر نہ رہا گیا، باہر نکلا اور سیدھا تار گھر پہنچا، وہاں سے تار دیا کہ میں بہت اداس ہوں تم فوراً آ جاؤ۔

تار دینے کے بعد دل کو کچھ اطمینان ہوا، یقین تھا کہ روشن آرا اب جس قدر جلد ہو سکے گا آ جائے گی۔ اس سے کچھ ڈھارس بندھ گئی اور دل پر سے جیسے ایک بوجھ ہٹ گیا۔

دوسرے دن دوپہر کو مرزا کے مکان پر تاش کا معرکہ گرم ہونا تھا وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مرزا کے والد سے کچھ لوگ ملنے آئے ہیں اس لئے تجویز یہ ٹھہری کہ یہاں سے کسی اور جگہ سرک چلو۔ ہمارا مکان تو خالی تھا ہی سب یار لوگ وہیں جمع ہوئے، امجد سے کہہ دیا گیا کہ حقّے میں اگر ذرا بھی خلل واقع ہوا تو تمہاری خیر نہیں۔ اور پان اس طرح سے متواتر پہنچتے رہیں کہ تانتا لگ جائے۔

اب اس کے بعد کے واقعات کو کچھ مرد ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ شروع شروع میں تو تاش باقاعدہ اور باضابطہ ہوتا رہا۔ جو کھیل بھی کھیلا گیا بہت معقول طریقے سے، قواعد و ضوابط کے مطابق اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ لیکن ایک دو گھنٹے کے بعد کچھ خوش طبعی شروع ہوئی، یار لوگوں نے ایک دوسرے کے پتے دیکھنے شروع کر دیئے۔ یہ حالت تھی کہ آنکھ بچی نہیں اور ایک آدھ کام کا پتہ اڑا نہیں، اور ساتھ ہی قہقہے پر قہقہے اڑنے لگے، تین گھنٹے کے بعد یہ حالت تھی کہ کوئی گھٹنا ہلا ہلا کر گا رہا ہے، کوئی فرش پر بازو ٹیکے سیٹی بجا رہا ہے، کوئی تھیٹر کا ایک آدھ مذاقیہ فقرہ لاکھوں دفعہ دہرا رہا ہے، لیکن تاش برابر ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد دھول دھپّا شروع ہوا۔ ان خوش فعلیوں کے دوران میں ایک مسخرے نے ایک ایسا کھیل تجویز کر دیا جس کے آخر میں ایک آدمی بادشاہ بن جاتا ہے، دوسرا وزیر، تیسرا کوتوال اور جو سب سے ہار جاتا ہے وہ چور۔ سب نے کہا "واہ واہ کیا بات کہی ہے!" ایک بولا۔ "پھر آج جو چور بنا اس کی شامت آ جائے گی۔" دوسرے نے کہا "اور نہیں تو کیا۔ بھلا کوئی ایسا ویسا کھیل ہے۔ سلطنتوں کے معاملے ہیں سلطنتوں کے۔"

کھیل شروع ہوا بدقسمتی سے ہم چور بن گئے، طرح

**روشن آرا میکے گئی تو قلابازیاں کھانے کو دل چاہا**

# ڈاکئے یا حجام کے علاوہ کسی اور سے باتیں نہیں کروں گا

طرح کی سزائیں تجویز ہونے لگیں۔ کوئی کہے: "ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے جائے اور حلوائی کی دکان سے مٹھائی خرید کے لائے"، کوئی کہے "نہیں حضور سب کے پاؤں پڑے اور ہر ایک سے دو دو چانٹے کھائے"۔ دوسرے نے کہا "نہیں صاحب ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر ہمارے سامنے ناچے"۔ آخر میں بادشاہ سلامت بولے۔ "ہم حکم دیتے ہیں کہ چور کو کاغذ کی ایک لمبوتری نوک دار ٹوپی پہنائی جائے، اور اس کے چہرے پر سیاہی مل دی جائے اور یہ اسی حالت میں جاکر اندر سے حقے کی چلم بھر کر لائے"۔ سب نے کہا، "کیا دماغ پایا ہے حضور نے، کیا سزا تجویز کی ہے، واہ واہ"۔

ہم بھی مزے میں آئے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا "تو ہوا کیا؟ آج ہم ہیں، کل کسی اور کی باری آجائے گی"۔ نہایت خندہ پیشانی سے اپنے چہرے کو پیش کیا۔ ہنس ہنس کر وہ بے ہودہ سی ٹوپی پہنی۔ ایک شانِ استغنا کے ساتھ چلم اٹھائی اور زنانے کا دروازہ کھول کر باورچی خانے کو چل دیئے اور ہمارے پیچھے کمرہ قہقہوں سے گونج رہا تھا۔

صحن میں پہنچے ہی تھے کہ باہر کا دروازہ کھلا اور ایک برقعہ پوش خاتون اندر داخل ہوئی، منہ سے برقعہ الٹا تو روشن آرا۔

دم خشک ہو گیا، جسم پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا۔ زبان بند ہو گئی۔ سامنے وہ روشن آرا، جس کو میں نے تار دے کر بلایا تھا کہ تم فوراً آجاؤ میں بہت اداس ہوں اور اپنی یہ حالت کہ منہ پر سیاہی ملی ہے، سر پر وہ لمبوتری سی کاغذ کی ٹوپی پہن رکھی ہے اور ہاتھ میں چلم اٹھائے کھڑے ہیں۔ اور مردانے سے قہقہوں کا شور برابر آرہا ہے۔

روح منجمد ہو گئی اور تمام حواس نے جواب دے دیا روشن آرا کچھ دیر تو چپکی کھڑی دیکھتی رہی اور پھر کہنے لگی... لیکن میں کیا بتاؤں کہ کیا کہنے لگی؟ اس کی آواز تو میرے کانوں تک جیسے بے ہوشی کے عالم میں پہنچ رہی تھی۔

اب تک آپ اتنا تو جان گئے ہوں گے، کہ میں بذاتِ خود از حد شریف واقع ہوا ہوں۔ جہاں تک میں ہوں مجھ سے بہتر میاں دنیا پیدا نہیں کر سکتی۔ میری سسرال میں سب کی یہی رائے ہے اور میرا اپنا ایمان بھی یہی ہے لیکن ان دوستوں نے مجھے رسوا کر دیا ہے اس لئے میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اب یا گھر میں رہوں گا یا کام پر جایا کروں گا، نہ کسی سے ملوں گا اور نہ کسی کو اپنے گھر آنے دوں گا۔ سوائے ڈاکئے یا حجام کے اور ان سے بھی نہایت مختصر باتیں کیا کروں گا۔

"خط ہے۔؟"

"جی ہاں۔"

"دے جاؤ، چلے جاؤ"۔

"ناخن تراش دو۔"

"بھاگ جاؤ۔"

بس اس سے زیادہ کلام نہیں کروں گا۔ آپ دیکھئے تو سہی۔



# زرد ماضی کی خوشبو

افسانہ

منیر احمد شیخ

**ایم۔ اے** کے امتحان سے فارغ ہو کر میں نے سوچا کہ واپس اپنے شہر چلا جاؤں۔ جہاں سے نکلے ہوئے مجھے پانچ چھ برس ہونے کو آتے تھے۔ امتحان کی فکر سے میری صحت بہت گر گئی تھی اور لگاتار محنت کی وجہ سے میرا اعصابی نظام بگڑ گیا تھا۔ بازار میں چلتے چلتے یہ وہم ہونے لگتا کہ ابھی یہیں کہیں کسی دکان کے سامنے گر جاؤں گا۔ گھر سے اکیلے نکلنے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ بس یہی محسوس ہوتا کہ اکیلے میں کہیں گر گیا تو مجھے کون سنبھالے گا اور کون گھر پہنچائے گا۔ بھرے بازاروں میں میری حالت اور بھی بگڑ جاتی۔ میں بازار کے عین وسط میں چلنے کی بجائے اطراف میں دکانوں اور دیواروں کے ساتھ ہو کر چلتا کہ گروں گا تو دیوار کو تھام لوں گا۔ پتہ نہیں یہ صرف اعصابی نظام کے کمزور ہونے کی بناء پر تھا یا پھر کوئی نفسیاتی مرض تھا جو مجھے لاحق ہو گیا تھا۔ لیکن اتنا پتہ ہے کہ اس تکلیف کے ہاتھوں میں جسم کے علاوہ ذہنی طور پر بھی بہت دُبلا ہوتا جا رہا تھا اور اس قدر عاجز آ گیا تھا کہ کئی دفعہ میں نے خواہش کی کہ اس عذاب سے جینے کی نسبت موت آ جائے تو وہ میرے لئے کہیں آسان ہو گی۔ فوری طور پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے شہر میں واپس جاؤں اور وہاں جا کر مکمل فراغت سے رہوں۔ بچپن کے دوستوں سے مِلوں۔ اپنے پُرانے اسکول میں جاؤں، اپنی گلیوں اور بازاروں میں گھوموں اور بے فکری کے کچھ دن گزار کر کھوئی ہوئی صحت کو بحال کروں۔ اس فیصلے سے مجھے ایک گونہ تقویت پہنچی اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے واپس اپنے شہر میں جانے کے فیصلے سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا ہے اور اب میں دیواروں کے سہارے ڈھونڈنے کی بجائے اپنے پاؤں پر خود اعتمادی سے کھڑا ہو سکوں گا اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے اپنی پنڈلیوں میں باقاعدہ ایک طاقت محسوس کی جو مجھے کھڑا ہونے اور چلنے بلکہ دوڑنے پر اُبھار رہی تھی۔

میں جب واپس اپنے شہر پہنچا تو میں نے محسوس کیا کہ آہستہ آہستہ میرے سارے جسم میں طاقت آ رہی ہے اور اپنے بچپن کی فضا سے گھل مل کر میری رگوں میں خون پھر سے دوڑنے لگا ہے۔ اتنے برسوں کے بعد میں نے ان دوستوں کی تلاش شروع کی جو میرے ساتھ اسکول میں پڑھا کرتے تھے مگر پھر غربت اور تنگدستی کے ہاتھوں درمیان ہی میں سلسلہ تعلیم چھوڑ گئے تھے اور ان کی شکلیں دیکھے مدت ہو گئی تھی۔ ان میں اسلم تھا جس کو کلاس میں "اسلو" کہہ کر بلاتے تھے۔ نصیر اتیلی تھا، فقیر محمد عُرف پھیرو نائی تھا۔ اس بے چارے نے تو کبھی کسی کی حجامت نہ کی تھی مگر اس کا باپ چونکہ حجامتوں کا کام کرتا تھا اس لئے فقیر محمد کو یہ خطاب ورثے میں قبول کرنا پڑا تھا۔ واحدہ لکڑ باڑ تھا جس کے باپ کا لکڑیوں کا ٹال تھا۔ پھیرو نائی کی طرح عبدالواحد عُرف واحدے لکڑ باڑ کو بھی یہ خطاب اپنے باپ کی اس خطا پر ملا ہوا تھا کہ وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے لکڑیاں پھاڑتا اور بیچتا تھا۔ ایک دن شام کے وقت گھومتے گھماتے میں جی۔ ٹی روڈ پر سینما کی عمارت کے سامنے کھڑا تھا تو میں نے دیکھا کہ میرے سامنے تکے کبابوں کی ایک دکان پر خوب رونق ہے۔ مصالحوں میں گندھے ہوئے گوشت کو آگ پر رکھنے سے ایک ایسی خوشبو دھوئیں کے ساتھ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی کہ بے اختیار میرے منہ میں پانی آ گیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اس دکان سے تکے کباب کھائے جائیں۔ میں دکان کے سامنے پہنچا تو کیا دیکھا کہ دہکتے ہوئے کوئلوں کی ایک بڑی سی انگیٹھی کے سامنے ایک لحیم شحیم پہلوان نما قسم کا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی شیو تین چار دن کی بڑھی ہوئی تھی۔ مگر اس کے گھنے بالوں کی سیاہی میں سے اس شخص کی جلد کی روشنی جھلکیاں مار رہی تھی اور اس کا جگ مگ جگ مگ کرتا ہوا چوڑا ماتھا پسینے کی بوندوں سے چمک رہا تھا۔ اُس

کے مضبوط کندھوں پر نمایاں چیز اس کی موٹی گردن تھی جو بغیر کسی لچک کے چہرے اور کندھوں کے درمیان نصب ہوئی نظر آتی تھی۔ میں نے اسے مخاطب ہو کے کہا، مجھے ایک درجن تکے اور ایک درجن کباب تیار کر دو۔ وہ ایکدم چونکا۔ پھر اس نے میری طرف یوں دیکھا کہ جیسے میری آواز کے راستے سے وہ میرے خدوخال پہچان رہا ہے۔ وہ ذرا سا مسکرایا اور گرم سیخ کو پانی کی بالٹی میں ڈالتے ہوئے مجھے کہا۔

"تم باؤ منیر تو نہیں ہو؟"

"میں نے کہا ہاں۔ میں منیر تو ہوں مگر باؤ سے میری میل ملاقات نہیں ہے۔"

اس نے کہا کہ جو پتلون پہنے اور پڑھ لکھ جائے وہ باؤ ہی بن جاتا ہے۔ مجھے پہچانا ہے کہ نہیں؟

میں نے جواب غور سے دیکھا تو وہ اسلو تھا جو پانچویں جماعت میں سالانہ امتحان سے پہلے ہی پڑھائی چھوڑ کر اپنے باپ کی دکان پر اُس کے ساتھ کام میں لگ گیا تھا۔ باپ کا تھوڑا بہت کام تو اسکول سے چھٹی کے بعد بھی کیا کرتا تھا۔ اور جب کلاس میں اس سے پوچھتے کہ تمہارے ہاتھوں سے ہمیشہ پیاز کی بو کیوں آتی ہے تو وہ بتلایا کرتا کہ وہ ہر روز گھر جا کر کئی کئی سیر پیاز چھیلتا ہے جس سے صبح تک اس کی آنکھوں سے پانی بہتا رہتا ہے۔ مگر اب باپ کا کاروبار بڑھ گیا تھا اور اسے اپنے ساتھ مدد کی ضرورت تھی۔ اسلو پانچویں جماعت سے اٹھا اور باپ کے ساتھ کباب لگانے لگ گیا۔ اس کا باپ اب بوڑھا ہو چکا تھا اور اب وہ انگیٹھی کے سامنے نہیں بیٹھتا تھا۔ وہ حج کرنے کے بعد جب واپس آیا تو اس کا بس یہی کام تھا کہ اپنی دکان کے باہر کرسی لگا کر بیٹھا رہتا اور صرف گاہکوں کا خیال رکھا کرتا کہ انہیں سودا حاصل کرنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوتی۔

میں نے اسلم کو جواب دیا کہ تم اسلو تو نہیں ہو؟

اس نے خوش ہو کر کہا کہ آخر پہچان ہی لیا تم نے باؤ۔

پھر اس نے بالٹی میں سے ایک بھیگی ہوئی سیخ نکالی اور تیار شدہ قیمے کا ایک چھوٹا سا گولہ بنا کر اس میں چڑھایا اور اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو ملا کر گولے کو سیخ پر پھیلاتے ہوئے پوچھا: "تنے سالوں کے بعد ملے ہو! کتنی جماعتیں پڑھ گئے ہو؟ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ اگر میں نے یہ کہا کہ ایم۔ اے کا امتحان دے کے آیا ہوں تو اس کی سمجھ میں کیا آئے گا۔ چنانچہ میں نے اُسے کہا "سولہ جماعتیں پڑھ کے آیا ہوں۔"

"سولاں جماعتیں" اس نے زیرِ لب دہرایا اور پھر میری طرف نظر بھر کے یوں دیکھا جیسے میرا جائزہ لے رہا ہو، اور کہا۔

"کوئی سواد تے نہ آیا۔ ذرا اپنی جان ویکھ تے ساڈی ویکھ (یعنی کوئی لطف نہ آیا اس لئے کہ ذرا اپنی جان کو دیکھو اور ہماری صحت بھی ملاحظہ کرو)۔

اس کی اس بے ساختگی پہ میں جھوم اٹھا اور ایک لمحہ کے لئے مجھے یہ محسوس ہوا کہ اگر پڑھائی لکھائی کے بعد یہی حالت ہو جاتی ہے جو اس وقت میری ہے تو اس سے کباب لگا لگا کر جان بنانا کہیں بہتر کام ہے۔ اس نے مجھے بیٹھنے کو کہا اور کہا کہ تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ آج میں اپنے یار کے لئے ایسی چانپیں لگاؤں گا کہ ساری عمر یاد کرتے رہو گے کہ اسلم کی دکان پر گئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب پلیٹیں میرے سامنے آئیں تو ان میں پڑی ہوئی گرما گرم چانپوں کی خوشبو اور ان کی خستگی اور رس کا وہ لطف آیا کہ میں ہونٹ کاٹتا رہ گیا۔ اُٹھ کر جب جانے لگا تو میں نے پوچھا بھئی کتنے پیسے ہوئے؟ اس پر اسلم نے سیخیں چھوڑ کر دھوتی کے پلو سے اپنے چہرے پر سے پسینہ پونچھتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔ اتنے برسوں کے بعد ملے ہو اور پیسوں کا پوچھتے ہو۔ تمہارا کوئی قصور نہیں۔ سولہ جماعتوں کا قصور ہے۔"

میں یہ جواب سن کر شرمندہ سا ہو گیا۔ میں نے اسے بڑا سمجھانے کی کوشش کی کہ میں نے کوئی ایسی بُری بات نہیں کی اور اُسے اس کا اتنا بُرا بھی نہیں منانا چاہیئے۔ مگر اس کی شکل سے معلوم ہو رہا تھا کہ میں نے کوئی ناقابلِ معافی قصور کر دیا ہے۔

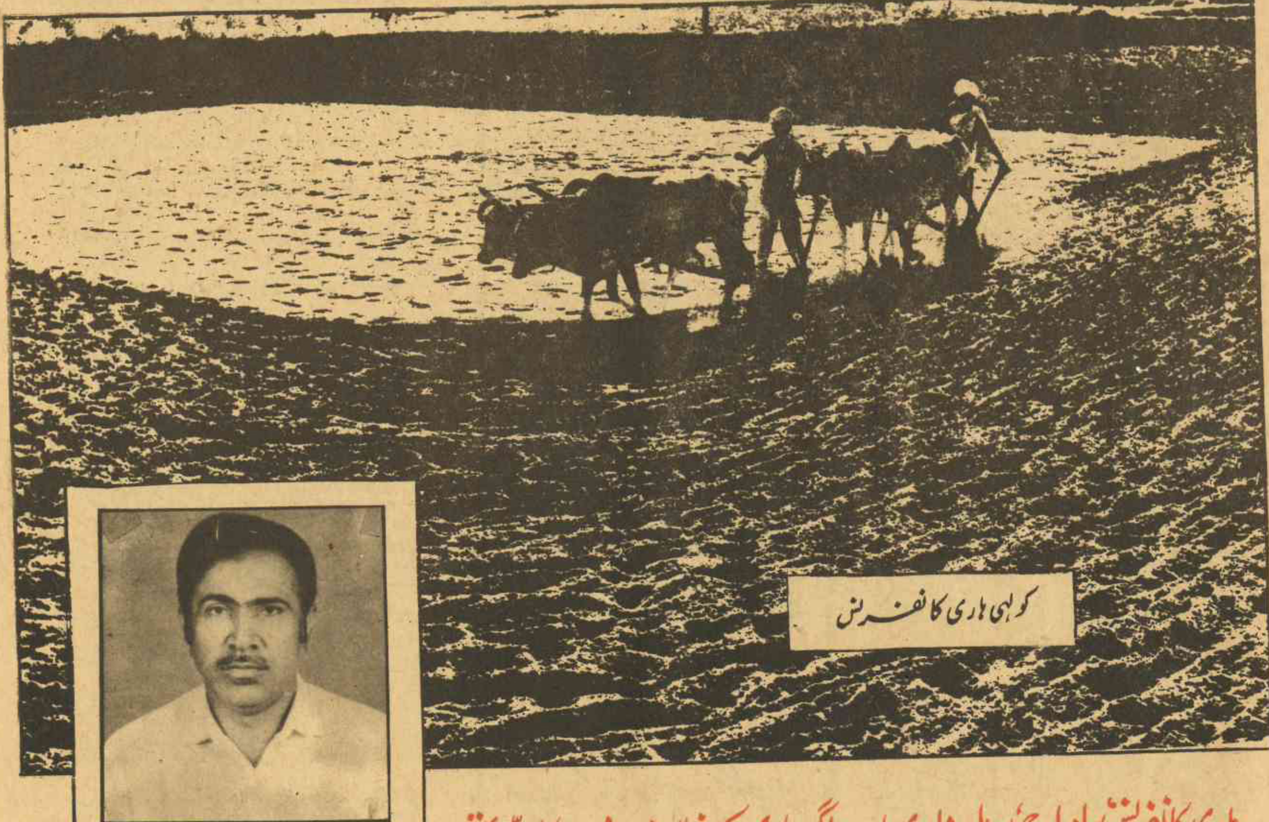
دو چار دن بعد ریلوے کراسنگ کے پاس نصیرے تیلی سے ملاقات ہو گئی جو ریلوے پھاٹک کے ساتھ ریڑھی لگائے گنڈیریاں بیچ رہا تھا۔ گنڈیریوں پر پانی چھڑکتے ہوئے وہ "ٹھنڈے میٹھے پیڑے" کی ہانک لگا رہا تھا۔ دو چار تازہ موتیے کے ہار بھی اس نے گنڈیریوں پر پھیلا رکھے تھے۔ نصیرے تیلی کو پہچاننے میں دِقت ذرا نہ ہوئی، کہ اس کی شکل اتنے برسوں میں بھی ذرا نہ بدلی تھی، سوائے آواز کے جواب پیشہ ور ریڑھی لگانے والوں جیسی ہو گئی تھی۔ اس نے ریڑھی چھوڑ کر مجھے زور سے اپنے گلے لگا لیا اور کافی دیر کے بعد الگ کر کے کہا کہ "ٹھنڈ پے گئی اے"۔ ہم بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس نے چن چن کے "مٹھ والے حصے" کی گنڈیریاں میرے آگے رکھیں اور اصرار کر کر کے کھلاتا رہا۔ جب میں چلنے لگا تو اس نے گنڈیریوں پر سے ایک ہار اٹھا کے میرے گلے میں ڈال دیا اور کہا کہ یہ اپنے غریب دوست کا تحفہ سمجھو۔ میں نے دیکھا کہ نصیرے کی آنکھوں میں فخر اور خوشی کی جھلک روشنی کی لہر کی طرح باہر نکلی مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے بجھ گئی۔ جُدا ہوتے وقت اس نے اتنا کہا کہ تم نے میرے پاس آ کر میرا سر اونچا کر دیا ہے۔ میری زندگی میں ٹھنڈی میٹھی گنڈیریوں کے علاوہ اور کیا رہ گیا ہے۔ میں نے اس کے موتیے کے ہار کو گلے سے اتار کر ہاتھ کے گرد لپیٹ لیا اور گھر جا کر ایک کتاب کے صفحوں میں رکھ کر بند کر دیا۔

اسی طرح آہستہ آہستہ واحدے لکڑ یاڑ اور پھیرو نائی سے بھی ملاقاتیں ہو گئیں۔ واحدے لکڑ یاڑ نے کمیٹی میں داروغے کی نوکری کر لی تھی اور لمبی لمبی مونچھیں رکھ لی تھیں۔ پھیرو نائی حجامتیں کرنے کی بجائے جراحی کی دکان کرتا تھا اور سیاسی گفتگو بڑے ذوق شوق اور اعتماد سے کرتا تھا۔ واحدے لکڑ یاڑ اور پھیرو جراح نے مجھے گھر بلا کر بڑی خاطریں کیں۔ آخری دن تک ہاتھ تھام تھام کے روکتے تھے کہ کچھ دن اور ٹھہر جاؤ۔ اپنے شہر کی بہاریں روز روز کہاں نصیب ہوتی ہیں۔ میرا جی بھی ایسا لگ گیا تھا کہ ان کو چھوڑنے کے خیال ہی سے مجھے یوں لگتا کہ میں پھر اکیلا ہو جاؤں گا، اور کمزور...

پتہ نہیں کیا بات ہے مگر ایمانداری سے کہتا ہوں کہ روز بروز ان بچپن کے دوستوں کے درمیان بیٹھ کر جن کو میں بھلا چکا تھا۔ مجھے یوں لگتا جیسے میری کھوئی ہوئی طاقت آہستہ

باقی صفحہ ۳۱ پر

# ھاریوں کا درانتیاں فضا میں بلند تھیں



کولہی ہاری کانفرنس

مہمان خصوصی ، میر محمد جونیجو

## ہاری کانفرنس سامراج، سرمایہ داری اور جاگیرداری کے خلاف جدوجہد کا حصہ تھی

مصطفیٰ رحنا - ڈگری

**کولھی** ہاری کانفرنس کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو رہی تھیں۔ پیپلز پارٹی سندھ کے بانی رہنما میر محمد جونیجو تیاریوں میں پیش پیش تھے۔ میر محمد جونیجو کے ساتھ راقم الحروف اور دوسرے ساتھی بھی تھے۔ پروگرام کے مطابق میر محمد جونیجو اور آل سندھ کولھی سبھا کے صدر موہن لال اور دوسرے ساتھی جن میں چاچا خوشی محمد، میر خان لاشاری اور محمد اکرم شامل تھے۔ انہوں نے میر نصیر خان اور مجھے ہاری ورکر کو ڈگری سے لینا تھا۔ یہ ساتھی میرپور خاص سے آ رہے تھے تاکہ ماتلی کے نزدیک رایو خانانی کے مقام پر آل سندھ کولھی ہاری کانفرنس میں شرکت کی جا سکے۔ میں اور میر نصیر خان نے دو گھنٹے زیادہ انتظار کیا مگر یہ لوگ ابھی نہیں پہنچے تھے۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ راستہ میں ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ ہم دونوں بس کے ذریعہ ڈگری سے ہاری کانفرنس کے لئے روانہ ہو گئے۔

حاجی ساون بس اسٹاپ سے کانفرنس کا مقام پانچ میل دور تھا۔ ہم وہاں اترے تو دیکھا کہ ہزاروں کولھی محنت کش ہاری پیدل کانفرنس کے مقام رایو خانانی کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے چہروں پر ثابت قدمی صاف جھلک رہی تھی۔ ان میں سے کچھ کے ہاتھوں میں درانتیاں اور کاتریں تھیں۔ کاتر لکڑی کا بنا ہوا ایک ہتھیار ہوتا ہے، جو کمان کی طرح خمدار ہوتا ہے اور کافی فاصلے سے اپنے دشمن یا جانور پر وار کرنے کے لئے بہت مؤثر ہے۔ یہ قدیمی ہتھیار پتھر کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی کولھی قوم میں نسل بہ نسل چلا آ رہا ہے۔

میں آپ کو پہلے کولھی قوم کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ کولھی قوم سندھ کی بہت پرانی قوم ہے۔ ان کے آباؤ اجداد ہندوستان کے علاقے کاٹھیاواڑ اور گجرات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندو برہمنوں نے اپنے مفاد کے لئے ان کو اچھوت کا درجہ دیا۔ کیونکہ یہ مذہباً ہندو ہیں۔ انہوں نے ہندوؤں میں چار طبقے بنائے۔ برہمن، کھتری، ویش

اور سودر۔ ان کا شمار شودروں میں ہوتا ہے۔ ان کی طرح ذات پات کے سہارے ہندو پنڈتوں نے اپنا استحصالی نظام قائم کرنے کے لئے ان کے سپرد یہ پنچ کام کر دیا اور ان سے نفرت کرنی شروع کر دی۔ ان کے مندر، ان کے شمسان گھاٹ الگ کر دیئے گئے۔ یہ بڑی ذات کے ہندوؤں کے برتن کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، نہ ان کے برابر بیٹھ سکتے ہیں، نہ مونچھوں کو تاؤ دے سکتے ہیں، نہ گھوڑے پر سواری کر سکتے ہیں، اور نہ ہی ان کی عورتیں ریشمی کپڑا اور سونا پہن سکتی ہیں، کیونکہ ان کے لئے سوتی کپڑا اور چاندی مخصوص کر دیا گیا۔ برصغیر پاک و ہند میں آج تک ان سے ایسا ہی سلوک ہو رہا ہے۔ سندھ میں آج بھی آپ کو ان کے الگ ہوٹل، الگ نائی ملیں گے۔

ہندو پنڈتوں اور سرمایہ داروں کے استحصال کا شکار ہو کر اس قوم نے صدیوں پہلے سندھ میں ذریعہ معاش اور عزت کے لئے جائے پناہ ڈھونڈی۔ اس وقت سندھ میں ان کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہے۔ ان کا پیشہ کھیتی باڑی ہے۔ یہ ضلع تھرپارکر، حیدرآباد، سانگھڑ، نواب شاہ اور ٹھٹھہ کے علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی محنت کش ہیں۔ یہ دھرتی کے سینے میں شگاف پیدا کر کے رزق پیدا کرتے ہیں۔ مگر یہ صدیوں سے نسل بہ نسل زمینداروں کے مقروض چلے آتے ہیں۔ ان سے بے تحاشا بیگار لی جاتی ہے۔ جس زمیندار یا جاگیردار کا دل آئے ان کی ماں، بہن اور بیٹی کو اٹھا لیتا ہے۔ سندھ میں ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ یہ مجبور، مظلوم، بے کس محنت کش ہاری اگر مذمت کرتے ہیں، تو زمیندار نوکر شاہی سے مل کر انہیں زمین سے بے دخل کر دیتا ہے۔ ان کے مویشی اور دوسرا مال اسباب ضبط کر لیا جاتا ہے اور ان کو جھوٹے مقدمات میں گرفتار کرا دیا جاتا ہے۔ ان کی کوئی عزت نہیں۔ زمیندار ان سے جو چاہے اور جس وقت چاہے کر سکتا ہے۔

پوری دنیا میں مظلوم طبقہ غلامی و جبر کی زنجیریں توڑنے کے لئے جدوجہد کر رہا ہے۔ یہ کولہی ہاری بھی سمجھتے ہیں کہ جب تک لوٹنے والا موجود ہے لوٹتا ہی رہے گا۔ الیکشن کے ذریعہ مسائل حل نہیں ہو سکتے کیونکہ اسمبلی میں لٹنے والے طبقے کی نمائندگی لوٹنے والا امیر، پیر اور سرمایہ دار کرتا ہے۔ اس لئے دوسرے محنت کشوں کے ساتھ مل کر لوٹ کھسوٹ اور استحصال کے نظام کے خلاف بھرپور جدوجہد کی جائے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔

یہ تاریخی ہاری کانفرنس سرمایہ داری، جاگیرداری، نوکر شاہی اور سامراج کے خلاف جدوجہد کا ایک حصہ تھی۔ ہم ابھی راجو خانانی پیدل جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ کولہی سبھا سندھ کے صدر موہن لال، میر محمد جونیجو، چاچا خوشی محمد



"ہاری مزدور ساتھ ساتھ جدوجہد کریں" چاچا خوشی محمد

اور دوسرے ساتھی ایک جیپ سے آ گئے۔ انہوں نے ہمیں بھی جیپ میں بٹھا لیا۔ اب ہم کانفرنس کے مقام کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں ہمیں پھر ہاریوں کے گروپ جاتے ہوئے ملے، جن کے بھوک و افلاس سے دھنسے ہوئے پیٹ اور اندر دھنسی ہوئی آنکھیں تھیں۔ ان کے چہرے زرد تھے، جن سے ظالم زمینداروں نے خون چھین لیا تھا۔ مگر یہ باہمت تھے، انہیں آنے والے انقلاب کا پتہ تھا جب پوری دنیا میں ہاریوں، مزدوروں اور محنت کشوں کا راج ہوگا، کوئی بھی لوٹنے والا نہ ہوگا۔ زمینوں کے یہ خود مالک ہوں گے۔ مگر وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جاگیرداری نظام کا خاتمہ بغیر قربانیوں، عملی ایثار، جدوجہد اور انقلابی نظریہ کے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ پرامید تھے۔ ان میں اس نظام کے خلاف نفرت کا سیلاب امنڈ رہا تھا۔ ان کے مرجھائے ہوئے زرد چہرے جوشِ انتقام میں سرخ انگارے کی طرح دہک رہے تھے۔

کیکر کے درختوں کے ایک بڑے جنگل میں پہنچے جہاں کانفرنس کا انتظام تھا۔ کیونکہ شامیانے نہیں تھے اور نہ ہی آ سکتے تھے۔ کیونکہ کسی جاگیردار کا جلسہ تو تھا نہیں، اس لئے کھلے آسمان کے نیچے درختوں کے جھنڈ میں ہزاروں ہاری زمین پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ جاگیرداری سرمایہ داری مردہ باد، ہاری حقدار، وڈیرہ چوہدری دست بردار، انقلاب انقلاب سرخ انقلاب اور دوسرے سامراج دشمن نعرے لگا رہے تھے۔ ہاریوں کی اکثریت درختوں کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی اور بہت سے ہاری چاروں طرف نہر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ درختوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ کے ہاتھوں میں سرخ جھنڈے پکڑے ہوئے تھے۔ ہم وہاں دوسرے دوستوں سے ملنے کے بعد ہاریوں کے سامنے زمین پر بیٹھ گئے، جس پر سوکھی گھاس بچھی ہوئی تھی۔ سامنے مائک لگا ہوا تھا اور درختوں پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے تھے۔

کانفرنس کی کارروائی موہن لال کی زیرِ صدارت شروع ہوئی۔ مہمانِ خصوصی میر محمد جونیجو تھے۔ آل سندھ کولہی سبھا کے صدر موہن لال نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کولہی قوم مظلوم اور بیوہ قوم ہے۔ اگر سب کولہی ہاری متحد ہو جائیں، اپنے حقوق کے لئے ایک پلیٹ فارم سے جدوجہد کریں، لیکن ان کا رشتہ دوسرے ہاریوں مزدوروں اور غریبوں سے ہوگا، جو جاگیرداری نظام کے خاتمہ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہم کسی لالچ، خوف یا دھمکی میں نہیں آئیں گے۔ ہم اپنے حقوق کے لئے ہر طاقت سے ٹکرائیں گے۔ انہوں نے کولہی ہاریوں سے اپیل کی کہ وہ متحد ہو جائیں اور اپنی صفوں میں انتشار پیدا نہ ہونے دیں۔

اس کے بعد اس علاقے کے ہاری شاعر روپ چند نے جاگیرداروں اور زمینداروں کے خلاف نظم سنائی، جس میں ایک انقلابی ہاری کے جذبات کی ترجمانی کی گئی تھی۔

اس کے بعد ماتلی کے ہاری ورکر ابراہیم نظامی نے ہاریوں کو درپیش مسائل پر روشنی ڈالی۔ پھر ڈگری کے ہاری ورکر میر نصیر خان نے کہا کہ میر، پیر، چوہدری، رئیس اور وڈیرے ٹھگ ہیں۔ یہ ٹھگوں کا ایک ٹولہ ہے جو غریب ہاریوں کو لوٹتا ہے۔ اس لئے اٹھ کر ان پر وار کیا جائے تاکہ لوٹنے والے ختم ہو جائیں۔ یہی انقلاب کا راستہ ہے۔ اس کے بعد میر خان لاشاری آئے جو میر پور خاص کے علاقے کے ہاری ورکر ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران ہاریوں سے کہا کہ موجودہ زرعی اصلاحات میں جس بھی ہاری کو زمین ملی ہو وہ ہاتھ اٹھائے۔ پندرہ ہزار سے زائد ہاریوں میں سے ایک نے بھی ہاتھ نہ اٹھایا۔ وہ نعرے لگانے لگے زمین کسی کو نہیں ملی، یہ سب دھوکہ ہے۔ اس پر میر خان لاشاری نے کہا کہ آنکھیں کھولو۔ میروں، وڈیروں اور پیروں کو پہچانو یہ تمہارے دشمن ہیں۔ جب تک ان سے مقابلہ نہیں ہوگا یہ بدستور تمہاری زمینوں پر قابض رہیں گے اور ہمیشہ کی طرح تمہیں غلام بنائے رکھیں گے۔ اس لئے غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لئے جمع ہو جاؤ۔

اس کے بعد راقم الحروف مصطفیٰ رضا نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم دنیا میں سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ہمارا طبقہ دوزخ میں ہے۔ پانچ فی صد جاگیردار سرمایہ دار جنت میں رہ رہے ہیں۔ ہم کو ہماری دنیا تبدیل کرنی ہے۔ جب تک موجودہ نظام جس کی بنیاد لوٹ کھسوٹ پر رکھی ہوئی ہے، ختم نہیں ہوتا اس وقت تک مسائل حل نہیں ہوں گے۔ موجودہ حکومت نے اصلاحات نافذ کی ہیں، مگر ہم زرعی اصلاحات لیبر اصلاحات نہیں چاہتے بلکہ اس نظام کی مکمل تبدیلی چاہتے ہیں۔ اس کا نام انقلاب ہے۔ سندھ میں ہاریوں سے ظلم ہو رہا ہے، ہاریوں کو بے دخل کیا جا رہا ہے، بیگار لی جا رہی ہے، حتیٰ کہ ہاریوں کی عزتیں لوٹی جا رہی ہیں۔ اگر جاگیرداروں نے ہاریوں کی عزتوں سے کھیلنا بند نہ کیا تو یہی کچھ زمینداروں، جاگیرداروں سے ہاری کریں گے۔ کیونکہ سائنسی فلسفہ سے عمل سے ردِ عمل ہونا ضروری بات ہے۔ جہاں ظلم ہوگا وہاں مزاحمت ہوگی۔ اس لئے ہاریوں کو آنے والے وقت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔

مشہور مزدور لیڈر چاچا خوشی محمد نے کہا کہ کوہلی عظیم قوم ہے، وہ محنت کش ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ تم اللہ کے دوست ہو۔ تمہیں اچھوت، نیچ اور گھٹیا سمجھنے والا خود اچھوت اور نیچ ہے۔ موجودہ حکومت نے ہاریوں اور مزدوروں کو دھوکہ دیا ہے۔ بڑے بڑے لوگ وزارتیں، سفارتیں، بڑی نوکریاں اور دوسری مراعات لے رہے ہیں۔ غریب پہلے سے بھی غریب ہو رہا ہے۔ اس لئے ظلم کے نظام کو گرانے کے لئے ہاری مزدور مل کر جدوجہد کریں۔

آخر میں مہمانِ خصوصی میر محمد جونیجو نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہاریوں پر ہر جگہ ظلم ہو رہا ہے۔ ہاریوں پر جھوٹے مقدمات قائم کر کے ان کو گرفتار کیا جا رہا ہے۔ اس وقت سندھ کی جیلوں میں ہزاروں بے گناہ ہاری مقید ہیں۔ انہوں نے حکمرانوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ ہاری جاگ گئے ہیں، ہاری اپنی ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کو جاگیرداروں اور زمینداروں کی حویلیوں سے نکال لیں گے، جہاں وڈیروں نے اپنی عیاشی کے لئے ان کو زبردستی رکھ رکھا ہے۔ سندھ میں ایسی لاکھوں مثالیں ہیں۔ زمینیں ہماری ہیں۔ یہ ظالم لٹیرے کون ہیں جو ہر سال فصل اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ہم حقیقی سوشلزم کے نفاذ تک لڑیں گے اور ہمارا مقصد اس ملک میں ہاری مزدور راج لانا ہے۔



# مالاکنڈ کے کسان علاقے کو روند ڈالا گیا

## پاکستان مزدور کسان پارٹی کے صدر اسحاق محمد کا بیان

پاکستان مزدور کسان پارٹی کے صدر مسٹر اسحاق محمد نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ پاکستان کے موجودہ حکمرانوں نے ملکی اور غیر ملکی عوام دشمن قوتوں کے ایماء پر ننگے تشدد کی جو پالیسی اختیار کی ہوئی ہے اس کا سلسلہ مالاکنڈ ایجنسی صوبہ سرحد میں بھی جاری کر دیا گیا ہے۔ یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ مالاکنڈ ایجنسی کے کسانوں نے اپنے اتحاد اور شعور کی برکت سے صدیوں پرانے جاگیرداری مظالم کی زنجیر کی کئی کڑیاں توڑ دی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف ناجائز بے دخلیوں، بے گار اور حد سے زیادہ اجاروں کی شرح کو روکا ہے بلکہ اس ملک میں قدیمی جمہوری نظام یعنی پنچایت سسٹم کو بھی زندہ کر لیا ہے۔ یہ آخری اقدام پر مالاکنڈ کی مقامی افسر شاہی کو خاص طور پر کھٹکا ہے۔ کیونکہ مروجہ جرگہ سسٹم جسے انگریزوں نے اپنے استبدادی اغراض کے لئے ڈھالا تھا اور جو افسر شاہی کے لئے بے شمار برکتوں مبنی تھا، کسانوں کی پنچایتوں نے کھوکھلا کر دیا ہے۔ صوبہ سرحد کی حکومت جو کہ بیشتر میر جعفروں پر مشتمل ہے اور جن میں نیپ کے سب جاگیرداروں کی وضع بھی نہیں، اس عوامی مظہر پر بہت پریشان ہے۔ چنانچہ وہ پچھلے ڈھائی ماہ سے مالاکنڈ کے کسانوں پر پے در پے جارحیت کر رہی ہے۔

انہوں نے کہا کہ سرحد کی صوبائی حکومت نے کسانوں کے خلاف جارحیت کے لئے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مالاکنڈ ایجنسی میں ایک ایسے پولیٹیکل ایجنٹ کا تقرر کیا جو کسان دشمنی میں رسوائے زمانہ ہے۔ اس شخص نے ۲۷، ۲۵ جون کی درمیانی رات کو چار ہزار ملیشیا اور لیوی کے ذریعے تمام کسان علاقہ کو روند ڈالا۔ بندوقیں اور مشین گنیں داغ داغ کر رات بھر دہشت پھیلائی گئی۔ کسانوں کے گھروں کی تلاشیاں لی گئیں۔ ان کا مال اسباب لوٹا گیا، اور سینکڑوں کسانوں کو گرفتار کیا گیا۔ پارٹی کے مقامی صدر سید لطیف کو گرفتار کرنے کے لئے

جگہ جگہ چھاپے مارے گئے۔ عورتوں کی توہین کی گئی۔ اور اب تک ان کے خاندان کے ۹ افراد کو بطورِ یرغمال قید رکھا ہوا ہے۔ ۱۴ ستمبر کو پھر ملیشیا اور لیوی نے مختلف مقامات پر چھاپے مارے، اور مالاکنڈ ایجنسی میں مزدور کسان پارٹی کے قائم مقام صدر محمد عزیز خان، ڈاکٹر شیر دلا اور مسمی الف خان کو گرفتار کر لیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ مالاکنڈ ایجنسی کی دہشت گردی کے خلاف کسانوں نے ۵ ستمبر سے مالاکنڈ کے مقام پر پُرامن احتجاجی مظاہرہ شروع کر دیا ہے۔ آخری خبریں آنے تک دس ہزار کسان مالاکنڈ کے مقام پر جمع ہو چکے ہیں اور مزید آ رہے ہیں۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ آج ملک میں حالات بڑے دگرگوں ہیں اور قوم ایک گھمبیر تاریخی بحران سے گزر رہی ہے۔ ایسے وقت میں ملک اور قوم کے دشمن جگہ بہ جگہ فساد کے شعلے اٹھا رہے ہیں۔ مالاکنڈ ایجنسی میں سرحد کی حکومت اور پولیٹیکل ایجنٹ جو کچھ کر رہے ہیں یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سوال تمام قوم کے سامنے ہے کہ آیا مٹھی بھر جاگیرداروں کی خاطر، جن کی وفاداریاں ملک کے ساتھ ہمیشہ مشتبہ رہی ہیں، لاکھوں محبِ وطن کسانوں کو تنگ کر کے مشتعل کیا جاتا رہے گا۔ میں ملک کے تمام ترقی پسند اور محبِ وطن حلقوں سے اپیل کرتا ہوں کہ مالاکنڈ ایجنسی میں ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھا کر اپنی عوام دوستی کا ثبوت دیں۔ اور وہ اٹھائے جانے والے افسر شاہی فتنے کا مؤثر سدِّباب کریں۔ بیان میں مالاکنڈ کے کسان بھائیوں سے بھی اپیل کی گئی ہے کہ وہ اپنا اتحاد قائم رکھیں اور منظم ہو کر کمال ہوشیاری سے دشمن کی سازش کا مقابلہ کریں۔ آج ساری قوم کی نظریں ان پر لگی ہوئی ہیں۔ ■

## بقیہ • چینی کمیونسٹ کی دسویں کانگریس

تھے۔ جن کے سنجیدہ مطالعے اور بحث مباحثہ کے بعد ڈرافٹ کا یہ خاکہ تیار کیا گیا ہے۔ آئینی ڈرافٹ تیار کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ پارٹی کے اندر دائیں اور بائیں بازو کے موقع پرست رجحانات اور تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکے۔ کیوں کہ چیئرمین ماؤ کے مطابق "انقلاب کو فتح سے روشناس کرنے کے لئے ایک سیاسی پارٹی کو اپنی سیاسی لائین کی درستگی اور تنظیم پر خصوصی نظر رکھنی چاہیئے"۔ اس لئے ہماری پارٹی کے کامریڈز کو اس بات پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔ کہ کیا سوشلسٹ تحریک اور مزدوروں کی حاکمیت کے قیام کے عمل میں ہماری پارٹی لائین اس دور کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے یا نہیں؟

اس کے بعد انہوں نے جو چھ نکات پیش کئے ان میں پہلا نکتہ عظیم پرولتاری ثقافتی انقلاب سے متعلق تھا انہوں نے پارٹی کی سابقہ تاریخ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "موجودہ ثقافتی انقلاب وقت کی اہم ترین ضرورت اور ہماری پارٹی کے لئے نوشتۂ دیوار کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ پرولتاری انقلاب اور سوشلزم کی تعمیر کے عمل میں کلچر کا ہتھیار بہت ضروری ہے، دوسرا نکتہ "مارکسیت پر عمل کرو ترمیم پسندی پر نہیں"؟ کے اصول سے عبارت تھا۔ تیسرا نکتہ سیاسی جوار بھاٹہ کے مقابلے کے بارے میں تھا۔ کیونکہ ماؤزے تنگ نے کہا ہے جوار بھاٹہ کا مقابلہ مارکسی عمل ہے اور دو سیاسی لائنوں کے جوار بھاٹے میں پھنس کر بیٹھ رہنا نہیں چاہیئے۔ بلکہ درست لائین کے لئے جدوجہد کرنی چاہیئے۔

چوتھے نکتے میں کہا گیا تھا کہ ہمیں اپنے بعد کی نسل کو انقلابی مقاصد اور طبقاتی جدوجہد کے لئے مہارت دینی چاہیئے جیسا کہ چیئرمین ماؤ نے کہا ہے "اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ ہماری پارٹی مستقل مزاجی سے کام کرے گی۔ صرف یہی ضروری نہیں کہ درست سیاسی لائین اختیار کی جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے بعد آنے والی نسل کو پرولتاری انقلاب کے مشن میں مہارت دیں۔ پانچواں نکتہ پارٹی کے اندر مرکزی جمہوریت کو ترقی دینے سے متعلق تھا۔ کامریڈ وانگ نے کہا "ایک ایسی سیاسی صورت حال جس میں مرکزیت بھی ہو اور جمہوریت بھی، سوشلزم کے ارتقاء کے لئے انتہائی ضروری ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ نظم اور اتحاد کو برقرار رکھتے ہوئے شخصی اور فکری آزادیاں بحال رہیں۔ چھٹا نکتہ پرولتاری بین الاقوامیت کے جذبے کے فروغ اور بڑی قوتوں کے توسیع پسندانہ رجحانات کی مخالفت سے متعلق تھا۔ جس میں امریکہ اور روس کی سامراجی اور ترمیم پسندانہ سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے تیسری جنگِ عظیم کا خطرہ ظاہر کیا گیا

کامریڈ ماؤزے تنگ کو کانگریس نے از سرِ نو چیئرمین منتخب کیا۔ پانچ نئے نائب صدروں کے نام یہ ہیں، کامریڈ چو این لائی، کامریڈ وانگ ہنگ وین، کامریڈ کانگ شینگ، کامریڈ یے چن ہنگ اور کامریڈ لی ٹیہہ تسنگ، پارٹی کا سیکرٹری جنرل کامریڈ چینگ چنگ شیاؤ کو منتخب کیا گیا اور ۱۴۸ ارکان پر مشتمل پریزیڈیم بھی منتخب کیا گیا۔

## بقیہ احوالِ واقعی

برطانوی ماہر اقتصادیات ڈبلیو۔ بیکرمین نے اعتراف کیا ہے کہ،

"جنگی ہتھیار ہی ایسا سامان ہیں جن کی برآمد سے زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جا سکتا ہے اور اس پر بھروسہ بھی کیا جا سکتا ہے۔"

حالیہ برسوں میں امریکی "امداد" میں فوجی اعانت کا تناسب تیزی سے بڑھتا رہا ہے۔ امریکی صنعت کی کئی کلیدی مثالوں میں اعلیٰ پیداواری معیار برقرار رکھنا اس کی بدولت ممکن ہوا ہے۔

ترقی پذیر ملکوں کو امریکی امداد کی قیمت صرف ان محیر العقول رقوم کی صورت میں ہی ادا نہیں کرنی پڑتی، جو ان کے ٹیکس دہندگان کی پہلے ہی سے پچکی ہوئی جیبوں میں سے نکل کر امریکی اجارہ دار سرمایہ داروں کی تجوریوں میں منتقل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس امداد کا المیہ یہ ہے کہ اس کے عوض جنوب مشرقی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ میں کروڑوں عوام کو ناپاک امریکی جنگوں اور جارحیتوں میں اپنا لہو دینا پڑا ہے۔ امریکی امداد نہ ہوتی تو اسرائیل عربوں کے خلاف جنگ کو طول دینا تو کجا، جنگ چھیڑنے کے بارے میں سوچتا تک نہیں، اور نہ ہی ہند چینی میں خون کی ندیاں بہتیں، نہ پرتگالی نوآبادکاروں کو افریقی عوام کے خون سے ہاتھ رنگنے کا موقع ملتا۔ دراصل یہ امداد ایک انتہائی مکروہ کاروبار ہے۔ موت کا کاروبار اور امریکہ موت کا سوداگر ہے۔

**حامد محمود نے کہا " دو دن میں پابندی ختم نہ ہوئی تو میں استعفیٰ دے دوں گا"**

باقی صفحہ ۱۱ سے آگے

شائد پی آئی ڈی کے دفتر میں تیار ہو کر مساوات پریس میں چھپ رہا تھا۔ جنگ میں کام کرنے والے صحافیوں اور دوسرے پریس ورکروں کا یہ اتحاد مثالی تھا۔ سرکاری افسروں اور انتظامیہ کے بعض چچوں نے اتحاد کی اس اونچی دیوار کو ڈھانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر وہ ناکام ہو گئے۔ انہوں نے اپنا سر پھوڑ لیا لیکن اس دیوار میں ایک شگاف بھی نہ ڈال سکے۔ ہفت روزہ اخبارِ جہاں، ڈیلی نیوز کے صحافیوں اور دوسرے ملازمین نے بھی کام کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

سرکاری نیوز ایجنسی اے پی پی، اور معظم علی کی نیوز ایجنسی پی پی آئی کی ٹیلی پرنٹر مشینوں کو ٹیلی فون اینڈ ٹیلیگراف کے ملازمین چلا رہے تھے، آج کل وہ زیرِ عتاب ہیں۔ ٹی اینڈ ٹی کی جانب سے ڈھائی لاکھ روپے کے بقایا جات کی ادائیگی کا نوٹس انہیں مل چکا ہے۔ حکومت نے ان کے گلے میں رسی کا پھندا تنگ کر دیا ہے۔ موصوف پریشان ہیں اور کسی نہ کسی طرح حکومت کو خوش کر کے اپنی جان بخشی کرانا چاہتے ہیں۔ وہ مشین تو چلا سکتے ہیں، لیکن خبریں کہاں سے لاتے۔ دو دو گھنٹے کے بعد سرکاری ہینڈ آؤٹ سے الٹی سیدھی خبریں بھیج رہے تھے۔

انگریزی اخبار ڈان کے دفتر کے سارے کمرے تاریکی میں لپٹے ہوئے خاموش تھے۔ رپورٹروں کی ٹائپ رائٹر مشینیں ساکت تھیں۔ نیوز کا کمرہ ویران تھا۔ کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ نیم دائرے کی شکل میں لمبی سی میز پر ایجنسیوں کی کریڈ ٹی ہوئی خبریں موجود نہ تھیں۔ لیکن ڈان کے نام پر چار صفحات کسی گمنام جگہ پر تیار کئے جا رہے تھے۔ پرانی خبریں لگائی جا رہی تھیں۔ یہ عجیب اور سبق آموز واقعہ ہے۔ ڈان کی انتظامیہ اخبار نکالنے کی سازش کر رہی تھی، جبکہ پریس ورکرز اسی اخبار سے منسلک اردو اخبار حریت پر پابندی کے خلاف ۲۴ گھنٹے کی علامتی ہڑتال پر تھے۔ اس جدوجہد نے اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے مالکان کے طبقاتی کردار اور ان کے دوغلے پن کا بھانڈہ پھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے حکومت سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ ان کے اخبارات کے اشتہارات، اور دوسری مراعات بحال کر دی گئی تھیں۔ انہوں نے پریس ورکرز سے دغا کیا جو مشترک مفادات کے تحفظ کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔

شام میں شائع ہونے والے انگریزی اخبارات لیڈر اور اسٹار کے ملازمین نے بھی اس علامتی ہڑتال میں مکمل شرکت کی۔ اس طرح انگریزی کے تینوں اخبارات ڈیلی نیوز، لیڈر اور اسٹار شائع نہ ہوئے۔ شام میں شائع ہونے والے اردو اخبارات امن اور آغاز شائع ہوئے۔

روزنامہ مشرق کے دفتر کے باہر اچانک دو بلیاں لڑ پڑیں۔ ان کی غراہٹ سن کر بندوق بردار سپاہی بڑبڑا کر جاگ اٹھے۔ انہوں نے مشینی انداز میں اپنی بندوقیں سیدھی کر لیں، لیکن جب انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوا تو وہ شرمندہ ہوئے۔ دوبارہ کرسی سے ٹک کر اونگھنے لگے۔ وہ اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ یہ بیچارے بھی کیا کریں، انہیں اوپر سے جو حکم ملتا ہے اس کی بجا آوری کرتے ہیں۔ اس طبقاتی معاشرے نے مظلوم کو مظلوم کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔

روزنامہ مشرق کے صحافی، خوش نویس، چپراسی اور دوسرے ملازمین ۲۴ گھنٹے کی علامتی ہڑتال پر ہیں۔ پوری عمارت میں موت کا سا سناٹا طاری ہے۔ کمروں کی بتیاں بجھی ہوئی ہیں اور مشینیں خاموش ہیں۔ البتہ اس ادارے کے چند لوگ کسی دوسری جگہ انتظامیہ کی ہدایت پر اخبار نکالنے کی سازش کر رہے تھے۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مشرق اخبار اور پریس کے تمام ورکروں نے علامتی ہڑتال میں پرجوش انداز سے شرکت کر کے ثابت کر دیا کہ وہ منصفانہ جدوجہد میں پریس کے دوسرے ملازمین کے ساتھ ہیں۔

دفتر کے گیٹ کے قریب سفید رنگ کی ویگن کھڑی تھی۔ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے مسلح سپاہی اونگھنے کے عمل میں بدستور مصروف تھے۔ ایکسچینج کے کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی۔ ایک آپریٹر مشرق ایمپلائز یونین کی ہدایت پر اپنا فرض انجام دے رہا تھا۔

روزنامہ حریت، جسارت اور مہران پر پابندی کے خلاف پریس ورکروں کی مختلف یونینوں کی رابطہ کمیٹی کی جانب سے ۱۵ ستمبر کو ہڑتال کی کال دی گئی تھی۔ تین روز قبل مرکزی وزیرِ اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی کی جانب سے مذاکرات کی پیش کش کی گئی۔ اس مسئلے پر بحث کرنے کے لئے رابطہ کمیٹی کا ایک ہنگامی اجلاس ہوا، جس میں اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مذاکرات کی دعوت قبول کر لی جائے۔ اگر یہ مسئلہ بات چیت سے حل ہو جاتا ہے تو کیا کہنے۔ صحافیوں کی نمائندہ تنظیم پی ایف یو جے اور پریس کی دوسری تنظیموں نے اس بات کی مسلسل کوشش کی کہ حکومت اس معاملے میں معقول رویہ اختیار کرے۔ جب حکومت کی جانب سے اس کا مثبت جواب نہ ملا تو مجبوراً ۱۵ ستمبر کو ۲۴ گھنٹے کی علامتی ہڑتال کا اعلان کیا گیا۔ رابطہ کمیٹی نے پی ایف یو جے کے صدر جناب منہاج برنا کو بات چیت کے کل اختیارات دے کر خوش نویس یونین کے صدر جناب نسیم الحق عثمانی کے ہمراہ مذاکرات کے لئے بھیج دیا۔

ان مذاکرات میں حکومت کی نمائندگی مرکزی وزیرِ اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی، صحافیوں اور دوسرے پریس ورکروں کی نمائندگی پی ایف یو جے کے صدر منہاج برنا، سیکرٹری جنرل جناب نثار عثمانی، خوش نویس یونین کے صدر جناب نسیم الحق عثمانی، اے پی این ایس کے صدر میر خلیل الرحمٰن اور سی پی این ای کے صدر مجید نظامی کر رہے تھے۔

مولانا کوثر نیازی نے پریس ورکروں کے نمائندوں پر زور دیا کہ وہ ۲۴ گھنٹے کی علامتی ہڑتال کی کال آف کر دیں۔ وزیرِ اعظم بھٹو ایک اہم مشن پر امریکہ جا رہے ہیں اور وہ ۱۸ ستمبر کو ایک اہم پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔ پریس ورکروں کے نمائندوں نے اس کے جواب میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ تینوں اخبارات پر سے پابندی ہٹا لے،

# کوثر نیازی اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے

مدیروں اور پبلشروں کو رہا کر دے اور ان کے مقدمات واپس لیے جائیں۔ مولانا نے جواب دیا کہ اگر علامتی ہڑتال کی اپیل واپس لے لی تو دو دن کے اندر اندر اخبارات پر سے پابندی ہٹا لی جائے گی، اور نظر بندوں کو رہا کر دیا جائیگا۔ جناب منہاج برنا نے کہا کہ آپ با اختیار وزیر ہیں، ادھر آپ اس نیک کام کا اعلان کریں ادھر ہم ہڑتال ختم کرنے کی اپیل جاری کر دیں گے۔ مولانا نے جواب دیا۔ بھئی جب میں آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ دو دن کے اندر اندر پابندی ختم کر دی جائے گی تو پھر آپ لوگ کیوں پریشان ہیں۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جاتے میں اپنا وعدہ پورا کر کے رہوں گا۔ اے پی این ایس اور سی پی این ای کے صدر جناب میر خلیل الرحمٰن اور جناب مجید نظامی نے بھی اس کی تصدیق کی اور انہیں یقین دلایا کہ اگر حکومت نے اپنا وعدہ ایفا نہ کیا تو ہم بھرپور طریقہ سے آپ کا ساتھ دیں گے۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کے چیئرمین شیخ حامد محمود نے تو یہاں تک کہا کہ "اگر دو روز کے اندر اندر پابندی ختم نہ ہوئی تو میں استعفیٰ دیدوں گا۔"

پی ایف یو جے کے صدر جناب منہاج برنا نے کوئی فیصلہ کرنے سے قبل اپنے دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ چونکہ ایک مرکزی وزیر اور دوسرے ذمہ دار افراد اس بات کی یقین دہانی کرا رہے ہیں کہ دو روز کے اندر اندر اخبارات سے پابندی ہٹا لی جائے گی۔ اس لئے ۱۵ ستمبر کو علامتی ہڑتال کی اپیل واپس لے کر مزید خیر سگالی کا ماحول پیدا کیا جائے۔ چنانچہ پی ایف یو جے، اے پی این ایس اور سی پی این ای کے صدر کی جانب سے ایک مشترکہ بیان جاری کیا گیا، جس میں پریس ورکروں سے اپیل کی گئی تھی کہ چونکہ مذاکرات نے مثبت انداز اختیار کیا ہے، اور دو روز میں پابندی ہٹانے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے، اس لئے ۱۵ ستمبر کی ہڑتال ملتوی کر دی جائے۔ اگر حکومت اپنے وعدے سے منحرف ہو گئی تو اس صورت میں پی ایف یو جے، اے پی این ایس اور سی پی این ای مشترکہ طور پر اقدام کریں گی۔ اس اپیل کے پیشِ نظر اخبارات کے کارکنوں نے ۱۵ ستمبر کی علامتی ہڑتال ملتوی کر دی۔

مذاکرات کی دوسری نشست میں مولانا کوثر نیازی موجود نہیں تھے۔ معلوم ہوا کہ مولانا کسی اہم کام سے کہیں چلے گئے۔ پھر تیسرے دن مولانا سے ملاقات ہوئی۔ اس دوران تینوں اخبارات سے پابندی اٹھانے کا وعدہ پورا نہ کیا گیا۔ جب مولانا سے بات کی گئی تو انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اس میں کچھ قانونی پیچیدگیاں ہیں، اسلئے فی الحال پابندی نہیں اٹھائی جائے گی۔ یہ ان کا واضح اور دو ٹوک فیصلہ تھا۔

**۱۹ ستمبر**
**کی رات کو**
**جان بوجھ کر**
**افواہیں پھیلائی گئیں**

مذاکرات کی ناکامی کے بعد جناب منہاج برنا نے ایک بیان جاری کیا اور پریس کے کارکنوں سے اپیل کی کہ وہ ۱۹ ستمبر کو حکومت کے اس نامناسب رویے اور اخبارات پر پابندی کے خلاف ۲۴ گھنٹے کی علامتی ہڑتال کریں۔ یہ فیصلہ صرف پی ایف یو جے کے صدر کا نہ تھا، بلکہ یہ قدم لاہور اور راولپنڈی کے اخبارات کی مختلف تنظیموں کی رابطہ کمیٹی کے مشترکہ فیصلے کی روشنی میں اٹھایا گیا تھا۔ پریس ورکروں نے یہ جانتے ہوئے کہ حکومت اپنے وعدے سے پھر گئی ہے، مذاکرات میں شرکت کر کے یہ ثابت کر دیا کہ پریس کے ملازمین بلا وجہ شور و شر اور ہنگاموں کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اپنے مطالبات قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے انتہائی پُرامن طریقہ سے منوانا چاہتے ہیں۔ کاش یہ حکومت کارکنوں کی نمائندگی کرنے والے رہنماؤں کے موقف پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکتی۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اب بھی حکومت پی ایف یو جے کے موقف کا تجزیہ کرے تو سارے معاملات آسانی سے طے پا سکتے ہیں۔ لیکن اندھیر گردی میں معقولیت کی بات کہاں سنی جاتی ہے۔ مرکزی وزیر معاملات کو سلجھانے کی بجائے انتہائی اشتعال انگیز بیانات جاری کر کے ایک بار پھر جھگڑے میں چنگاری ڈالنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ حالانکہ حکومت کے تمام تر دعووں کے با وجود با اختیار افراد یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ۱۹ ستمبر ۷۳ء کے دن ۲۴ گھنٹے کی علامتی ہڑتال کتنی کامیاب اور مکمل ہڑتال تھی۔

۱۹ ستمبر کو گیارہ بجے کراچی پریس کلب میں رابطہ کمیٹی کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ ہوا، جس سے پریس کی تمام تنظیموں کے سربراہوں نے خطاب کیا۔ پریس کی تاریخ میں کارکنوں کا اتنا بڑا جلسہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ ہر مقرر نے اپنی تنظیم کی جانب حریت، جسارت اور مہران پر پابندی کے خلاف پریس کے کارکنوں کی جدوجہد میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ تالیوں اور نعروں کے شور میں جب جلسہ ختم ہوا تو ہر شخص کا چہرہ جوش اور جذبات سے تمتمایا ہوا تھا۔ اصولی جدوجہد نے پریس کے تمام ملازمین کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر لا کھڑا کر دیا تھا۔ پریس کے کارکنوں کے درمیان ایک اٹوٹ اتحاد جنم لے رہا تھا۔ حکومت، نوکر شاہی اور پریس کی چند کالی بھیڑوں نے اس اتحاد میں رخنہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن آج کے شاندار احتجاجی جلسے نے ان کی تمام مذموم کوششوں اور اوچھے ہتھکنڈوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ مفاد پرستوں کا یہ ٹولہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا۔ وہ اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے سازشیں کرتا رہے گا، لیکن عملی جدوجہد کے دوران وہ ہمیشہ ننگا ہو کر سامنے آئے گا۔ پریس کی تاریخ میں ایک ایسا دن بھی آئے گا جب تنخواہ دار ایجنٹ کتے بن جائیں گے۔ لوگ ان پر تھوکنا بھی گوارہ نہیں کریں گے۔

اس علامتی ہڑتال کو ناکام بنانے میں حکومت اور با اختیار نوکر شاہی اپنے سابقہ ہتھکنڈوں پر اتر آئی۔ منٹ

# پولیس بلا اجازت پریس کلب میں داخل ہو گئی

منٹ میں یہ افواہ پھیلائی گئی کہ فلاں اخبار نکل رہا ہے۔ فلاں اخبار میں لوگ کام کر رہے ہیں۔ ہڑتال بے معنی ہے پی ایف یو جے کی لیڈر شپ نے اس جدوجہد کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔ لیکن ان کے یہ تمام پرانے اور کند ہتھکنڈے بے کار گئے۔ آفرین ہے پریس کے کارکنوں کی سوجھ اور عمل پر کہ انہوں نے ان گمراہ کن باتوں کو حقارت سے نظر انداز کر دیا۔ پی آئی ڈی (پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ) کی جانب سے تو یہ خبر بار بار اڑائی گئی کہ فلاں اخبار میں لوگ کام کر رہے ہیں، لیکن جب تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ اخبار کے دروازے پر بھاری تالا لٹک رہا ہے۔

ہڑتال کی کامیابی سے حکومت، نوکر شاہی اور پریس کے ملازمین کی صفوں میں چھپی ہوئی کالی بھیڑوں کے طوطے اڑ گئے۔

۱۹ ستمبر کی کامیاب ہڑتال کی رات کی کوکھ سے ۲۰ ستمبر کی صبح نمودار ہوئی۔ ابھی کرن پھوٹی بھی نہ تھی کہ پریس کلب کو مسلح پولیس نے چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ ایک ڈی ایس پی تقریباً پچیس تیس سپاہیوں کے ساتھ پریس کلب کے احاطہ میں گھس گیا۔ اس نے تحکمانہ لہجے میں لان میں رات بھر کے جاگے ہوئے صحافیوں اور پریس کے کارکنوں سے کہا کہ "سب لائن میں کھڑے ہو جاؤ۔" ان کے ساتھ قمیض اور پاجامہ میں ملبوس ایک سیاہ فام، تنومند شخص بھی تھا۔ ڈی ایس پی نے اس سے کہا کہ "ان میں سے اس آدمی کو پہچانو جس نے تمہارے اخبارات کا بنڈل چھین لیا تھا۔" اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں پریس ورکرز فیڈریشن کے صدر فصیح الدین سالار کی جانب انگلی اٹھا دی۔ "اس آدمی نے میرا بنڈل چھین لیا تھا۔"

یہ سراسر جھوٹا الزام تھا۔ فصیح الدین سالار اس وقت پریس کلب کے اندر سو رہے تھے۔ شور و غل سن کر وہ باہر نکل آئے۔ پولیس انہیں زبردستی اپنے ساتھ لے گئی۔ لیکن ایک گھنٹہ کے بعد انہیں چھوڑ دیا گیا۔ پولیس کے پاس اس الزام کی معقول شہادت نہ تھی۔ اور وہ فصیح الدین سالار کو گرفتار کر کے مصیبت میں پھنس جاتی۔

دنیا بھر کے جمہوری ممالک میں یہ مسلّم قانون ہے کہ پولیس وارنٹ کے بغیر کسی گھر میں داخل نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں پریس کلب کا احترام کیا جاتا ہے۔ لیکن ہماری پولیس ان اصولوں کو پامال کرتی ہوئی پریس کے احاطہ میں بلا اجازت گھس گئی اور پریس ورکروں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا گیا جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

حکومت اور اس کے چمچوں نے ہڑتال کی ناکامی کا تاثر دینے کے لیے جس انداز میں اخبارات نکالنے کی کوشش کی اس سے وہ خود ایکسپوز ہو گئے۔ روزنامہ مشرق میں چار پانچ دن پہلے کی خبریں لگائی گئیں۔ اداریہ پرانا تھا۔ سرخیاں انتہائی مضحکہ خیز تھیں۔ اور تو اور پرنٹ لائن تک غائب تھی۔ جنگ کی بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ بعض یاروں نے یہ ریمارک دیا کہ آغاز بر جنگ کی لوح چسپاں کر دی گئی ہے۔ اس میں بھی اداریہ غائب تھا۔ اور صفحہ اوّل پر چوکٹے میں باکس آئٹم دیا گیا کہ "بعض ناگزیر حالات کے سبب آج کا جنگ کم صفحات پر شائع کیا جا رہا ہے۔" اس اخبار میں بھی پرانی خبریں شائع کی گئی تھیں۔ ڈان اور مارننگ نیوز کا بھی یہی حال تھا۔ ڈان میں اداریہ غائب تھا اور صفحہ اوّل پر ایسی پرانی خبریں تھیں جو عام حالات میں شاید اندر بھی جگہ نہ پاتیں۔ ان اخبارات کی کتابت اور طباعت میں ایسی فاش غلطیاں کی گئی تھیں کہ عام قاری بھی سمجھ گئے کہ ۱۹ ستمبر کو پریس ورکروں کی مکمل ہڑتال تھی۔

پریس ورکروں کی یہ کامیابی ایک نئی، پائیدار اور بڑی کامیابی کو جنم دے گی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ۲۴ گھنٹے کی علامتی ہڑتال کے دوران ہمیں جو اچھے اور تلخ تجربات ہوئے ہیں، ان کا بھرپور تجزیہ کیا جائے، اور یہ دیکھا جائے کہ ہم نے کہاں کہاں غلطیاں کی ہیں۔ ان غلطیوں کو دور کیا جائے۔ غدار افراد کا محاسبہ کیا جائے اور ٹھوس قسم کے نتائج کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا جائے کہ پریس ورکروں کی جدوجہد کو ایک مثالی جدوجہد کی جانب رواں دواں کر دیا جائے۔

پریس ورکروں کا اٹوٹ اتحاد زندہ باد۔

## بقیہ، عالمی سیاست

الٹنے کی ناکام سازش کی۔

جب تک سردار داؤد اپنی پہلی نشری تقریر میں کئے ہوئے وعدے پورے نہیں کرتے، جمہوریت، آزادیٔ اظہار، خوش حالی، اعلیٰ معیارِ زندگی اور روزگار کے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں کئے جاتے، اس وقت تک سردار داؤد کی حکومت مستحکم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عوام میں بے چینی اور اضطراب پھیلے گا۔ اور شاہ پرست عناصر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ بہتر ہے کہ سردار داؤد پختونستان کا اسٹنٹ کھڑا کرنے اور پاکستان پر مداخلت کا الزام لگانے کی بجائے اپنی توجہ اور سرکاری وسائل افغان عوام کی اقتصادی حالت درست کرنے میں صرف کریں۔

## بقیہ: افسانہ

آہستہ آہستہ پھر پلٹنے لگی ہے اور اسلم کشمیری، نصیر اتیلی، واحدہ لکڑ ہارا اور پھیرو نائی میرے دست و بازو ہیں، میری طاقت ہیں، میری توانائی ہیں۔ اب میں بھرے بازار کے عین درمیان سینہ تان کر چلتا تھا اور اس تلاش میں رہتا تھا کہ کوئی شخص گرنے لگے تو اسے اپنے ہاتھوں پہ تھام لوں۔ میں یہ بیان کرنے سے قاصر ہوں کہ مجھ میں یہ اتنی طاقت کہاں سے آ گئی اور یہ کہ اس سے پہلے میں اتنا کمزور کیوں ہو گیا تھا۔ آج کوئی بیس برس بعد میں نے اپنی الماری میں سے پڑھنے کے لئے ایک کتاب نکالی۔ اسے جب کھولا تو صفحوں کے درمیان نصیر تیلی کے دیئے ہوئے موتیے کے ہار کے مرجھائے ہوئے پھول ملے ہیں۔ ان کی زرد خوشبو میرے ارد گرد پھیل گئی ہے اور میری آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہیں۔ ایک مدت کے بعد میں پھر اپنے آپ کو بے حد کمزور محسوس کر رہا ہوں۔ اتنا کمزور کہ شاید کوئی دیوار بھی سہارا نہیں دے سکتی۔

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
27 SEPT. 4 OCT, 1973



کامریڈ ماؤزے تنگ جنہیں دسویں قومی کانگریس میں دوبارہ چینی کمیونسٹ پارٹی کا
چیئرمین منتخب کیا گیا ۔ کانگریس کی روداد صفحہ ۷ پر ملاحظہ فرمائیں